ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

مسرت النساء
پی ایچ ڈی سکالر، رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس
پروفیسر ڈاکٹر محمد آصف اعوان
ڈائریکٹر ایڈوانس سٹڈیز (سوشل سائنسز)، رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی فیصل آباد کیمپس

اقبال کا نصب العینی معاشرہ اور عصری اقتصادی مسائل

Musarrat-Un-Nisa*
Ph.D Scholar, Riphah International University, Faisalabad Campus.
Prof. Dr. Muhammad Asif Awan
Director Advance studies (Social Sciences), Riphah International University, Faisalabad Campus.
***Corresponding Author:** musarratunnisa.iqbalstudies@gmial.com

Allama Iqbal's Vision of an Ideal Society and Its Relevance to Modern Economic Issues

This study examines at Allama Muhammad Iqbal's vision of the "Ideal Society" and how it relates to today's social and economic issues. Iqbal's philosophy focuses on selfhood (Khudi), intellectual freedom, social justice and the revival of Ijtihad as key factors in creating a progressive Islamic society. The research shows that Iqbal saw spiritual growth and moral awareness as the basis for collective prosperity. He also highlighted the significance of education, strong leadership and economic fairness. The study further examines urgent concerns in modern Muslim societies including extremism, corruption, unemployment, inequality and poor governance using Iqbal's ideas for analysis. It claims that Iqbal's thoughts are not just about poetry or abstract philosophy but they also offer a practical guide for change and renewal. His method combines religion with modernity connecting spiritual values with socio-economic progress. The findings indicate that if contemporary societies embrace Iqbal's principles, they can break free from stagnation achieve justice and

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

ensure lasting progress. Therefore, Iqbal's vision remains relevant and provides a solid plan for tackling today's social and economic challenge.

Key Words: *Iqbal, Ideal Society, Khudi, Ijtihad, Social Justice, Contemporary Issues, Economic Challenges.*

کرہ ارض پر بنی نوع انسان کو اپنے ارتقائی سفر کی ابتدا سے ہی بقاو سلامتی کی جنگ لڑنا پڑی ہے۔ بقائے انسانی بنیادی احتیاجات جیسے خوراک، لباس، رہائش کی مرہون منت رہی ہے۔ یہ انسانی جدوجہد وسائل کی کمیابی کے باعث بتدریج کٹھن سے کٹھن تر ہوتی چلی گئی۔ اسی جہد مسلسل نے ہی معاشیات ایسے علم کی بنیاد رکھی جس میں انسان کی انفرادی و اجتماعی مساعی کے اس حصہ کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ خوشحال زندگی کے مادی لوازمات کس طرح سے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ مزید بر آں معاشیات کے تحت انسان کے اس طرز عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ کہ جس میں وہ لا محدود خواہشات کو محدود ذرائع میں پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ معیشت سے مراد وہ ذرائع ہیں جن پر زندگی کا دارومدار ہوتا ہے اور جن سے زندگی بسر کی جاتی ہے۔

معاشیات یا اقتصادیات ایسی اصطلاح ہے جس کی اہمیت یوں تو ہر دور میں رہی ہے لیکن عصری تقاضوں کے پیش نظر اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ آج کے دور میں اقتصادی معاملات ہی بہت حد تک انسانی سرگرمیوں کا محور و مرکز بن چکے ہیں۔ دور جدید کا انسان ہمہ وقت اقتصادی چکر کے مسائل میں اس طرح محوِ گردش ہے کہ ان مسائل کے حل کے بغیر کسی طور دوسرے معاملات پہ توجہ مرکوز کرنا ممکن نہیں رہا۔ حیات انسانی اپنے نقطۂ آغاز ہی سے فکرِ معاش میں سرگرداں رہی ہے۔ یہ سلسلہ درختوں کے پھلوں اور جانوروں کے شکار سے ہوتا ہوا کارخانوں میں تیار شدہ ڈبہ بند غذا تک سفر طے کر چکا ہے۔ ابتداء میں انسان نے اپنی ضروریات کے پیش نظر تبادلے کا نظام اپنایا جو بتدریج تبدیل ہوتے ہوئے سونے چاندی کے سکوں، کرنسی نوٹ اور اب کریڈیٹ وڈیبیٹ کارڈز کی صورت ہمارے سامنے موجود ہے۔

انقلابِ زمانہ نے صرف اجناسِ معاش اور اقسامِ زر میں ہی تبدیلی نہیں کی بلکہ طرزِ معیشت کو بھی بدل دیا ہے۔ اپنی ضروریات کے مطابق انسان مختلف معاشی نظام اختیار کرتا رہا ہے۔ اس ضمن میں بہت سے تجربات کیے جاتے رہے ہیں۔ آج کے دور کا انسان بھی اسی تگ ودو میں مصروف دکھائی دیتا ہے۔ ہمیشہ سے تاجر، آجر اور صارف کسی ایسے نظام کی تلاش میں رہے ہیں جس سے زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جاسکے، لیکن چونکہ ایسی معاشی نسبتوں کی ہر کڑی صرف اپنے ہی فائدے اور منفعت کے لیے کوشاں رہتی ہے اور دوسروں کے استحصال سے بھی نہیں چُوکتی۔

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

چنانچہ کوئی بھی نظام کامیابی سے نافذ العمل نہیں ہو پایا۔ اس ضمن میں سرمایہ دارانہ نظام ہو یا اشتراکیت صارف اور مزدور کا استحصال ہی ہو رہا ہے۔ کارخانہ اور آجر زر کو صرف اور صرف خود تک محدود رکھنے میں سرگرم عمل ہے۔ اس ناجائز منافع خوری کے نتیجے میں افراطِ زر، معاشی ناہمواری، بے روزگاری، غربت و افلاس اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اس نے انسان کو انسانیت کے منصب سے گرا کر کہیں گداگر بنا دیا ہے تو کہیں غاصب اور ڈاکو۔

اقتصادیات ایک ایسا علم ہے جو کسی بھی معاشرے کے عام فرد سے لے کر بڑے سے بڑے ارباب فکر تک کو متاثر کرتا ہے۔ کوئی بھی فرد نہ تو معاشی مسائل سے بے بہرہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی ان مسائل کے حل پہ غور و فکر سے خود کو باز رکھ سکتا ہے کیونکر ممکن ہے کہ علامہ محمد اقبال جیسے عظیم فلسفی، مفکر اور زیرک نگاہ انسان معاشرے کے اس اہم پہلو سے ناآشنا ہوتے۔ اقبال اگرچہ ماہر اقتصادیات نہ تھے تاہم وہ اپنے دور کے معاشی مسائل سے نہ صرف کماحقہ آگاہ تھے بلکہ ان مسائل کے اسباب پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان مسائل و اسباب کی روشنی میں انھوں نے ان معاشی مشکلات کے حل بھی پیش کیے ہیں۔ جن کا ذکر وہ اپنے مضامین اور علم الاقتصاد نامی کتاب میں کرتے ہیں۔ ان کی فکرات و تفلسف میں معاشی مسائل کو اجاگر کرنے کا رجحان واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ ان مسائل کا حل تلاش کیے بغیر انسانیت کی نجات ممکن نہیں ہے۔ ان کی مشاہدہ پسند فطرت سمجھ چکی تھی کہ برصغیر کے مسلمان جس سیاسی آزادی کے خواہاں ہیں۔ وہ اقتصادی دوڑ میں سبقت لے جائے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اقبال کے نزدیک معاشی ترقی ہی میں کسی قوم کی مجموعی ترقی نمو کا راز مضمر ہے۔

" ایسے حالات میں جب مصنوعات اور تجارت کی طرف سے ہمارا ملک غافل ہو یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ مصافِ زندگی میں جس کا دائرہ روز بروز وسیع ہو تا جاتا ہے کامیاب ہوں گے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے ملک سے کپاس، چائے، کوئلہ اور مصالح خام کی اور صورتیں ممالک غیر کو جاتی ہیں مگر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ بدقسمت ہے وہ ملک جو ممالک غیر کے لیے مصالح خام کا ایک ذخیرہ ہو اور مصنوعات کے لیے ان کا محتاج ہو۔ وہ ملک جس کا دارومدار محض زراعت پہ ہو جیسا کہ ہندوستان کا ہے، ترقی کی دوڑ میں کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ قحطوں اور وباؤں سے نجات پا سکتا ہے۔ جب تک کہ وہ اپنی آبادی کی ضروریات پورا کرنے کی کوئی اور راہ نہ اختیار کرے۔ جب تک ہندوستان صنعتی ملک نہ ہو گا

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

اور ہم جاپانیوں کی طرح اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوں گے اس وقت تک قدرت ہمیں قحط کے تازیانے لگاتی رہے گی، طرح طرح کی وبائیں ہمیں ستاتی رہیں گی، جس سے ہم جسمانی اور اخلاقی لحاظ سے ناتواں ہوتے جائیں گے۔"(۱)

اقبال جانتے تھے کہ جب تک ہندوستان کے عوام صنعت و حرفت کی طرف توجہ نہیں دیں گے اور قدرت کے عطا کردہ وسائل کو خود بروئے کار نہیں لائیں گے تب تک ہندوستان اقوام عالم میں اپنالوہا نہیں منوا پائے گا۔ جن مسائل کا اظہار اقبال نے مندرجہ بالا سطور میں کیا ہے۔ اگر آج کے دور میں بھی ان کولا گو کیا جائے تو بجاطور پہ موجودہ مسائل جو پاکستان کو درپیش ہیں۔ اقبال کے فراہم کردہ کلیے کے مطابق ہی حل ہو پائیں گے۔ اقبال نے نہ صرف پاکستان کی سیاسی و جغرافیائی اساس فراہم کی بلکہ ان کی فکرات سے ہمیں معاشی مسائل کا بھی بہترین حل مل سکتا ہے۔ اقبال کے اقتصادی نظریات کی روشنی میں معاشی مسائل کے حل سے پہلے ان مسائل کا جائزہ لینا ضروری ہے جو عصرِ حاضر کے انسان کو درپیش ہیں اور ایک مثالی معاشرے کے حصول میں سدراہ ہیں۔

ا۔ معاشی ناہمواری و بدحالی

کسی بھی معاشرے کی بنیادی اکائی اس معاشرے کے افراد ہوتے ہیں۔ اجتماعیت کی اساس انفرادیت ہی میں مضمر ہے۔ افراد ہی مل کر کسی معاشرے کا ڈھانچہ تشکیل دیتے ہیں اور ترقی و تنزلی کا سبب بنتے ہیں۔ در حقیقت فرد اور معاشرہ آپس میں براہ راست نسبت رکھتے ہیں۔ ایک کا عروج دوسرے کا عروج ہے اور ایک کا زوال دوسرے کے زوال کا باعث بن سکتا ہے۔ اقبال اس تعلق سے بخوبی آگاہ تھے اور اپنے کلام میں جابجا اس بات کا ذکر بھی کرتے ہیں:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا (۲)

بانگ درا کی ایک نظم "شاعر" میں قوم کو جسم اور افراد کو اعضاء سے تشبیہہ دی ہے۔

قوم گویا جسم ہے، افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم (۳)

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

اقبال بخوبی واقف تھے کہ افرادی قوت ہی ہے جو کسی قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ افراد جب تک اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوں گے، تب تک معاشرہ خوشحالی کی طرف گامزن نہیں ہو پائے گا۔ اس کے برعکس اگر افراد کی حالت ناگفتہ بہ ہو گی تو معاشرہ بھی اپنی مجموعی حیثیت میں تنزلی کا شکار ہو جائے گا۔ عصرِ حاضر میں عوام اس قدر معاشی مسائل کا شکار ہیں کہ بنیادی ضروریات کی فراہمی سے قاصر ہیں جبکہ خواص معاشی خوشحالی کے اس درجے پہ ہیں جہاں آسائشات و تعیشات کی فراوانی ہے۔ یہ معاشی و اقتصادی تفاوت ایسا ناسور ہے جو معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہا ہے۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ معاشی تفاوت بہت سے سماجی، اخلاقی اور نفسیاتی مسائل کا پیش خیمہ بن رہا ہے۔ کوئی بھی معاشرہ محض صنعتی ترقی کے بل بوتے پر ترقی یافتہ نہیں کہلا سکتا بلکہ معاشرے کی آبادی کا معیار زندگی بنیادی سہولیات کی فراہمی اور روزگار کے مواقع وہ پیمانے ہیں جن سے کسی بھی معاشرے کی خوشحالی و ترقی کی پیمائش کی جاتی ہے۔ جہاں عوام کے پاس مسائل کے انبار ہوں، وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم ہو، لوگ خوراک، رہائش، تعلیم اور علاج ایسی بنیادی سہولیات سے محروم ہوں۔ ایسی جگہ پہ کوئی صحت مند معاشرہ نہیں پنپ سکتا۔ اقبال نے بھی معاشرے میں موجود غربت و افلاس کی واضح تصویر کشی کی ہے جس کی بناء پر عوامی مسائل نمایاں ہو کر سامنے آئے ہیں۔

> "یقیناً کسی کو اس بات سے انکار نہ ہو گا کہ غریب مسلمان کی اقتصادی حالت نہایت ہی افسوس ناک اور قابلِ رحم ہے۔ شہروں میں جہاں کی آبادی کا جزوِ غالب مسلمان ہیں معمولی درجہ کے مسلمانوں کی قلیل اُجرت، غلیظ مکان اور ان کے پیٹ بھر روٹی کو ترستے ہوئے بچوں کا حسرت ناک نظارہ کس نے نہیں دیکھا۔ لاہور کے کسی اسلامی محلہ میں جا نکلو ایک تنگ و تاریک کوچہ پر تمہاری نظر پڑے گی جس کے وحشت زا سکوت کے طلسم کو رہ رہ کر یا تو لاغر و نیم برہنہ بچوں کی چیخ و پکار یا کسی پردہ نشین بڑھیا کی لجاجت آمیز صدا توڑتی ہو گی، جس کی سوکھی اور مرجھائی ہوئی انگلیاں برقع میں سے نکل کر خیرات کے لیے پھیلی ہوئی ہوں گی۔ یہ تو گلی کی حالت تھی، الم زدہ گھروں کے اندر جا کر دیکھو تو صدہا مرد اور عورتیں ایسی پاؤ گے جنھوں نے کبھی اچھے دن دیکھے تھے لیکن آج فاقہ کر رہی ہیں۔ کئی دن سے اناج کا ایک دانہ تک منہ میں اڑ کر نہیں گیا لیکن غیرت اور خودداری اجازت نہیں دیتی کہ خیرات کے لیے کسی کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔"(۴)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

اقبال نے جس طرح معاشرے میں پھیلی غربت و افلاس کی منظر کشی کی ہے وہ کوئی درد مند دل رکھنے والا انسان ہی کر سکتا ہے۔ وہ معاشرے کو اس افلاس کے چنگل سے آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔ معاشی ناہمواری اور افلاس کے بہت سے اسباب ہیں جن کے باعث زر کی گردش منصفانہ طرز پہ نہیں ہو پاتی۔ اُس دور کا مغرب زدہ طبقہ، پردہ اور اسلامی روایات کو مسلمانوں کی غربت کا سبب سمجھتا تھا۔ بالکل ایسے ہی جس طرح آج کے دور میں بھی اسلامی قوانین کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ خیال کیا جاتا ہے۔ عورت کی آزادی کے نعرے لگائے جاتے ہیں جبکہ دیکھا جائے تو مرد وزن کے حقوق و فرائض اور کام کا دائرہ کار فطرتاً متعین ہے۔ اقبال نے اس نظریے کی مذمت کی ہے کہ پردہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

> ”ہمارے نوجوان علم برداران اصلاح تمدن جو پردہ کی رسم کو ہماری قوم کے قویٰ کے روز افزوں انحطاط کا باعث قرار دینے کے عادی ہیں۔ شاید یہ نہیں جانتے کہ اس انحطاط کا اصلی ذمہ دار پردہ نہیں بلکہ یہ جان فرسا افلاس ہے جو ہماری قوم کے ادنیٰ و اقاصی کو کھائے جا رہا ہے۔“(۵)

در حقیقت معاشرے میں پھیلا غربت و افلاس کئی معاشی مسائل کا نتیجہ ہے۔ وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم افراد کو ترقی کے مساوی مواقع فراہم کرنے میں سدِ راہ ہے۔ جب تک معاشرے میں موجود افراد کو آگے بڑھنے کے مساوی مواقع دستیاب نہیں ہوں گے تب تک معاشرہ اپنی مجموعی حیثیت میں ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو پائے گا۔ اقبال ایسے ہی معاشرے کے خواہاں تھے۔ جہاں افراد کو برابری کے حقوق میسر ہوں۔

> ”اقبال کا معاشرہ افراد کی خاطر وجود میں آتا ہے۔ افراد کی اندرونی صلاحیتوں کا بھرپور ظہور معاشرتی اشتراک پر موقوف ہے۔ شخصیتوں کی اہمیت اور حقیقی عظمت معاشرے ہی میں نمایاں ہوتی ہے۔ خودی اور شخصیت اصل ہے اور معاشرہ اس کے لیے فعال آلۂ کار۔ وہ اس کی قدرتی ضرورتوں کو بھی پورا کرتا ہے اور اس کے شخصی تقاضوں کی تکمیل بھی کرتا ہے۔ اس کے میدانِ عمل کو وسیع بھی کرتا ہے اور اس کی قوت میں اضافہ بھی کرتا ہے، افراد کی سرجوشیوں کی نگرانی کر کے اس کی فعالیت کو مقصد کے حوالے سے صحیح ارتقائی سمت میں مائل رکھتا ہے۔“(۶)

اقبال افراد کو ہی ملک و ملت کی تعمیر و ترقی کی بنیاد قرار دیتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

ماخذ تحقیقی مجلہ

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے (۷)

ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے میں پھیلی لا قانونیت کو ختم کر کے انفرادی حیثیت سے مسائل کو دیکھا جائے اور ہر فرد کو اس کی اہلیت کے مطابق وسائل کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ ریاست کو اس کام کی مکمل ذمہ داری لینی چاہیے اور اپنا اولین فریضہ سمجھتے ہوئے اس امر کو انجام دینا چاہئے۔ ورنہ دوسری صورت میں معاشرہ بدامنی کا شکار ہو جائے گا، ایک دوسرے کے حق پہ ڈاکا ڈالا جائے گا۔ معاشرے میں جرائم کی شرح میں روز بروز اضافہ اسی وجہ سے ہے کہ ریاست، افراد کو وسائل کی مساوی فراہمی میں ناکام ہے۔ اقبال اگرچہ غاصبانہ رویے کی مذمت کرتے ہیں لیکن اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا ان کے نزدیک بہت ضروری ہے۔ وہ اپنی قوم کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے مائل کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی نظم و نثر اس بات کا واضح پرچار کرتی دکھائی دیتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے حقوق کی آواز اٹھانے کی خاطر میدان عمل میں اترنا پڑے گا۔

اٹھو ! مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امرا کے درو دیوار ہلا دو
گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرو مایہ کو شاہیں سے لڑا دو
سلطانیِ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو (۸)

علامہ محمد اقبال نے ہمیشہ اپنی قوم کو عمل کی ترغیب دی ہے کہ خود کی پہچان اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے متحرک رہنے میں ہی انسانیت کی معراج ہے۔

ڈھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اس جذبے کی دہقانی پر سلطانی قربان (۹)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

۲۔ تن آسانی و کاہلی

عصرِ حاضر کے اقتصادی مسائل میں ایک نہایت اہم اور بنیادی مسئلہ نوجوانوں میں تن آسانی اور سستی و کاہلی کا رجحان ہے۔ نوجوان محنت کو عار سمجھتے ہیں۔ ہر شخص کامیابی کے لیے شارٹ کٹ استعمال کرنا چاہتا ہے۔ بیٹھے بٹھائے سب آسائشات حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ نوجوان نسل جمود کا شکار ہے۔ ان کے سامنے نہ تو منزل کا تعین ہے اور نہ ہی راستے کا۔ اس دور کا انسان ذہنی خلفشار کا شکار ہے۔ منزل سے توجہ ہٹانے کے لیے کئی طرح کی رنگا رنگ سرگرمیاں سامنے ہیں جو وقت کے ضیاع کا باعث بھی بن رہی ہیں اور تن آسانی کا بھی۔ بیٹھے بٹھائے سب کچھ حاصل کرنے کی خواہش انسان کے لیے زہر قاتل سے کم نہیں۔ ایسا فرد، معاشرے کے لیے کبھی بھی فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ تو وہ کسی دوسرے کی حق تلفی کرنے سے باز رہ سکتا ہے اور نہ ہی ہاتھ پھیلانا اس کے لیے عار ہو گا۔ خود اقبال بھی اس بات سے آشنا تھے کہ سستی و کاہلی قومی زندگی کے لیے ضرر کا باعث ہے۔

> "علاوہ اس افلاس زدہ طبقہ کے ایک اور طبقہ ان نکمے اور نکھٹو افراد کا ہے جو اپنے جیسی ناکارہ اولاد پیدا کر کے سستی اور کاہلی اور بد اعمالی و سیہ کاری کی زندگی خود بھی بسر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنا سا بنا لیتے ہیں۔ کیا ہم نے تمدنی عقدہ کے ان پہلوؤں پر بھی کبھی نظر ڈالی ہے؟ کیا ہم نے کبھی اس بات کو محسوس کیا ہے کہ ہماری انجمنوں اور مجلسوں کا فرض یہ نہیں ہے کہ خاص خاص اشخاص کی کلاہ اعزاز و افتخار میں بیٹھے ہوئے طرے لگایا کریں، بلکہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی سطح کو اونچا کریں۔"(۱۰)

اقبال یہاں نہ صرف معاشرے کے اس طبقے کی حوصلہ شکنی کر رہے ہیں بلکہ ایک حل بھی پیش کر رہے ہیں کہ ایسی تمام انجمنیں یا موجودہ دور کی این جی اوز (NGOs) جو سماجی اصلاح کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں انہیں اس بات پہ توجہ دینی چاہیے۔ خواص کی ناز برداریوں کی بجائے عوامی سطح پہ کام کرنا چاہیے۔ عوام کے معیارِ زندگی کو بلند کرنا چاہیے۔ ایسے افراد کو متحرک زندگی کی طرف راغب کرنا چاہیے۔ ان کے لیے روزگار کے مواقع فراہم کرنے چاہیے۔ ہمارا دین بھی عمل کو ترجیح دینے والا دین ہے۔ اسلام میں فراغت کو ناپسند کیا گیا ہے اور مومن کی یہ صفت ہے کہ وہ خود کو مثبت سرگرمیوں میں مشغول رکھنے کا عادی ہوتا ہے۔ کسبِ حلال کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔ اقبال کے ہاں بھی ہر دم متحرک رہنے کی تحریک ملتی ہے۔ وہ عملِ پیہم کو جہادِ زندگانی میں شمشیر کا درجہ دیتے ہیں۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

ماخذ تحقیقی مجلہ

یقیں محکم ، عمل پیہم ، محبت ، فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں (۱۱)

"طلوع اسلام" میں ہی ایک اور جگہ یوں عمل کا درس دیتے ہیں:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی ، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے (۱۲)

تصویرِ درد میں یہی مضمون یوں بیان ہوا ہے:

یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گامزن، محبوب فطرت ہے (۱۳)

نوجوان کی بے عملی اور دین سے دوری اقبال کو گراں گزرتی تھی۔ جواب شکوہ میں اس کا ذکر یوں کرتے ہیں:

بے عمل تھے ہی جواں، دین سے بد ظن بھی ہوئے (۱۴)

اسی نظم میں اسلاف کے عظیم کارناموں کا حوالہ دے کر نوجوان نسل کو اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھنے سے کامیابی مقدر نہیں ہوسکتی۔

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو (۱۵)

اقبال مسلمانوں کے تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھے رہنے کے سخت خلاف تھے۔ ان کے نزدیک مومن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ صرف تقدیر کو الزام دے کر اپنے حصے کی سعی کرنے سے غافل رہے۔ ایسی بے عملی کی تاویلیں پیش کرنا کسی صورت بھی مناسب نہیں ہوسکتا۔

اسی قرآن میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر
تن بہ تقدیر ، ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

تھا جو نا خوب ، بتدریج وہی خوب ، ہوا (۱۲)
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اگر ہمیں اپنی اقتصادی حالت کو بہتر بنانا ہے تو نوجوان نسل کو بے عملی و تن آسانی کی کیفیت سے نکالنا ہو گا۔ عملی طور پر تجارتی و کاروباری سر گرمیوں کو فروغ دینا ہو گا تا کہ معیشت ترقی کر سکے۔ انفرادی سطح پر کاروباری سر گرمیاں بڑھنے سے افراد کا معیار زندگی بھی بلند ہو گا اور ریاست معاشی طور پر خوشحال ہو گی۔

۳۔ فنی تعلیم کا فقدان

عصر حاضر ایسا دور ہے کہ جہاں فنی تعلیم کے بغیر اپنی معاشی حیثیت کو بہتر بنانا نہایت دشوار ہو گیا ہے۔ دنیا ایک گلوبل ولیج (Global village) بن چکی ہے۔ ذرائع مواصلات نے روابط کو آسان بنا دیا ہے۔ اس کے ساتھ جہاں آسانی پیدا ہوئی ہے اور طلب و رسدِ کا توازن بہتر ہوا ہے وہیں مقابلے کا رحجان بھی بڑھ گیا ہے۔ پہلے دور میں کسی مخصوص علاقے کے افراد ہی اس علاقے کی معاشی سر گرمیوں میں حصہ لیتے تھے یا پھر کسی دوسری جگہ جانے کے لیے سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرنا پڑتا تھا۔ لیکن آج کے دور میں بین الاقوامی منڈیاں آپ سے ایک کلک کی دوری پر ہیں۔ مختلف قسم کی کاروباری سر گرمیاں ہوں، غذائی اجناس ہوں یا مصنوعات، طبی سہولیات ہوں یا تعلیمی سر گرمیاں، صرف ایک کلک کرنے سے نہ صرف آپ کے علاقے بلکہ پوری دنیا کے افراد یا کمپنیوں کی فہرست آپ کے سامنے ہو گی اور اپنی ضرورت و سہولت کے مطابق آپ ان تک رسائی حاصل کر سکیں گے۔ ایسے دور میں جب تک افراد میں فنی تعلیم کو عام نہ کیا گیا تب تک معیشت کا حجم نہیں بڑھایا جا سکے گا۔ مقابلے کی اس فضا میں خود کو دوسروں سے بہتر ثابت کرنے کے لیے افراد کی ذہنی و فنی نمو از حد ضروری ہے۔ اسلاف کی بات کی جائے تو مسلمان ہر میدان میں آگے تھے۔ زراعت ہو یا صنعت و حرفت، طب کا میدان ہو یا کسی قسم کا ہنر مسلمان ہر چیز میں اقوامِ عالم پہ سبقت لیے ہوئے تھے لیکن آج کے دور کا مسلمان ان سے بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ دیگر اسباب کے ساتھ ساتھ اس تنزلی کا نمایاں سبب علم و ہنر کی کمی ہے۔ بحیثیت مجموعی سرکاری ملازمتوں کو پسند کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف ہمارا تعلیمی نظام ابھی تک اسی فرسودہ طرز پر چلتے ہوئے صرف کلرک پیدا کرنے میں مصروف ہے۔

جب تک یہ نظام جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہو گا تب تک معاشی طور پر مستحکم ہونا ممکن نہیں ہے۔ ترقی یافتہ قومیں بچپن سے ہی ایسا نظام تعلیم اپنے بچوں کو مہیا کر رہی ہیں جو ان کے فطری رحجان کو نکھار بخشتا ہے۔ چین و جاپان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ یہ قومیں اپنے بچوں کو ابتداء سے ہی ہنر مندی کی تربیت دیتی ہیں جبکہ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

ماخذ تحقیقی مجلہ

دوسری طرف ہمارا نظام تعلیم بچے کی تخلیقی قوتوں کو معدوم کر کے رکھ دیتا ہے۔ ابتداء کے چند سالوں میں ہی بچے کی قوت فیصلہ ختم کر دی جاتی ہے اور وہ ذہنی طور پہ محکوم بن کے رہ جاتا ہے۔ استاد جو کہ تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارنے میں مددگار ہونا چاہیے، ہنٹر لیے بچوں کو رٹو طوطے بنانے میں مصروف ہے۔ خود سوچیے ایسے بچے، بڑے ہونے پر معاشرے کے لیے کتنا سودمند ثابت ہو سکیں گے۔ اقبال بچوں کی تعلیم و تربیت ایسے خطوط پہ استوار کرنا چاہتے تھے کہ وہ بڑے ہو کر معاشرے کے مفید شہری بن سکیں۔

> "ہمارا پرانا طریقہ تعلیم چونکہ بچوں کے قوائے عقلیہ و واہمہ کے مدارجِ نمو کو ملحوظ نہیں رکھتا، اس واسطے اس کا نتیجہ ان کے حق میں نہایت مضر ثابت ہوتا ہے۔ ان کے قوائے ذہنیہ برباد ہو جاتے ہیں اور ان کے چہروں پر ذکاوت کی وہ چمک نظر نہیں آتی جو اس بے فکری کی زندگی کے ساتھ مختص ہے۔ بڑی عمر میں یہ تعلیمی نقص اور بھی وضاحت سے دکھائی دیتا ہے۔ روزمرہ کے معاملات کا سمجھنا اور ان کی پیچیدگیوں کو سلجھانا جو ایک عملی طبیعت کے آدمی کے لیے نہایت ضروری اوصاف ہیں۔ ان میں سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے۔ ان کی زندگی ناکامیوں کا ایک افسوسناک سلسلہ ہوتی ہے اور سوسائٹی کے لیے ان کا وجود محض معطل ہو جاتا ہے۔"(۱۷)

اپنے مضمون "قومی زندگی" میں بھی علامہ اقبال نے قومی مسائل کا حل تجویز کرتے ہوئے ایسی تعلیم پر زور دیا ہے جو فرد کی ذہنی صلاحیتوں کو جلا بخشے۔

> " اصلاحِ تمدن کے بعد ہماری دوسری ضرورت تعلیم عام ہے۔ مسلمانوں نے بالعموم یہ سمجھا ہے کہ تعلیم کا منشا و مقصد زیادہ تر دماغی تربیت ہے اور جو تعلیمی کام آج تک ہمارے اہل الرائے نے کیا ہے، اس کی بنا اسی خیال پر رہی ہے۔ مگر میں نے جہاں تک اس مسئلہ پر غور و فکر کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تعلیم کا اصل مقصد نوجوانوں میں ایک ایسی قابلیت کا پیدا کرنا ہے جس سے ان میں باحسنِ وجوہ اپنے تمدنی فرائض کے ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ میری مراد یہ نہیں کہ جو دماغ قدرتی طور پر علمی تحقیقات کی اصلی صورتوں کی طرف میلان رکھتے ہیں ان کے نمو کو روک دیا جائے بلکہ میرا مدعا یہ ہے کہ مجموعی حیثیت میں قومی تعلیم کی بنیاد ان ضرورتوں پر ہونی چاہیے جو انقلاب حالات کی وجہ سے پیدا ہوئی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہوں۔ انگلستان ایک تجارتی قوم ہے نپولین ہمیشہ اس قوم کو دکانداروں کی قوم کہا کرتا تھا مگر میں سمجھتا ہوں کہ تاریخی لحاظ سے یہ بات نپولین کے زمانے میں اس قدر صحیح نہ تھی جس قدر کہ اب ہے۔ یہ ملک اپنی خوراک کے چار حصے اور قریباً قریباً تمام مصالح خام غیر ممالک سے حاصل کرتا ہے اور ہر دو صورتوں میں قیمت کے عوض غیر ممالک کو اپنی مصنوعات دیتا ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہو کہ انگلستان ایک بہت بڑی دکان ہے جس سے تمام دنیا کی قومیں اپنی ضرورت کی چیزیں خرید کرتی ہیں۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ انگلستان کو زیادہ تر ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو اس کے تجارتی کاروبار کو سرانجام دے سکیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ایسے ملک میں تعلیم کا مدعا زیادہ تر تجارتی قابلیت پیدا کرنا ہے۔"(۱۸)

اقبال نے کس خوبصورتی سے ایک عملی مثال پیش کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ ہر قوم اور ملک کے مزاج و معاشی حاجات کے پیشِ نظر ہی اس قوم کے تعلیمی ڈھانچے کو مرتب کیا جاسکتا ہے۔ جب تک ہم اس بات کو نہیں سمجھیں گے ہم عالمی منڈی کے لیے سستا خام مال مہیا کر کے مہنگی مصنوعات خریدتے رہیں گے۔

فنی تعلیم کے ساتھ ساتھ معاشیات بحیثیت ایک مضمون پڑھایا جانا بھی نہایت اہم ہے۔ اگرچہ پچھلے کچھ عرصہ میں معاشیات کی تعلیم ہماری درسگاہوں میں عام ہوئی لیکن جب تک عملی میدان میں معاشی اصطلاحات کا نفاذ نہیں ہوگا تب تک تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ مزید برآں معاشرتی تقاضوں کے مطابق علمِ معاشیات کو ڈھالنا بھی ضروری ہے۔ ہمارا خطہ ایک زرعی خطہ ہے چنانچہ اس علاقے کی ضروریات کے مطابق یہاں معاشی اصطلاحات کا نفاذ ہی معاشی ترقی کو فروغ دے سکے گا۔ ہمارے نوجوان طبقے کو بین الاقوامی اقتصادی منڈیوں، درآمدات و برآمدات، زرمبادلہ اور دیگر معاملات سے باخبر رہنے کی اشد ضرورت ہے۔ خود اقبال بھی اس بات کے خواہشمند تھے کہ مسلمان نوجوان حالات حاضرہ سے مکمل باخبر ہوں۔ وہ چاہتے تھے کہ غیر کا احسان لینے کی بجائے مسلمان خود کفیل ہوں۔ فرسودہ رستوں پہ دوسروں کی تقلید کرنے کی بجائے خود اپنی منزل تلاش کریں۔ جب وہ لندن میں تھے تو اپنے فرزند جاوید کے نام ایک نظم لکھی جو دراصل اُمت مسلمہ کے لیے ایک نصب العین کا تعین ہے۔

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر
میں شاخِ تاک ہوں، میری غزل ہے میرا ثمر
مرے ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر [۱۹]

اقبال نے صنعتی تعلیم حاصل کرنے پر بھی زور دیا ہے:

"ہمیں صنعتی تعلیم پر بھی ضرور اپنی توجہ صرف کرنی چاہیے۔ جو میری رائے میں اعلیٰ تعلیم سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ صنعتی تعلیم سے عامہ خلائق کی اقتصادی حالت سدھرتی ہے اور یہی طبقہ قوم کے لیے بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہے۔"[۲۰]

۴۔ فرسودہ رسم ورواج اور عوامی ناعاقبت اندیشی

عوامی سطح پہ اگر افراد کی اقتصادی حالت کا جائزہ لیا جائے تو ہمارے ہاں بے جا اور فرسودہ رسم ورواج کی پیروی کرنا بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس ضمن میں افراد انتہائی ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیتے ہیں۔ ہمارا معاشرہ وسائل کی کمیابی کا شکار ہے۔ فی کس آمدنی بہت قلیل ہے۔ عوام کے پاس بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وسائل دستیاب نہیں ہیں لیکن یہی عوام بے جا رسوم اور دکھاوے پر اپنا مال وزر لٹانے میں بالکل عار نہیں سمجھتے۔ کوئی بھی خوشی کا موقع ہو یا غم کی گھڑی ہو۔ بلاوجہ کی نمود ونمائش کو اپنا فرض منصبی سمجھا جاتا ہے۔ تہذیب یافتہ اقوام ہمیشہ اپنے فعال کے دور رس نتائج کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کوئی بھی فعل سرانجام دیتی ہیں۔ جب تک افراد اپنی دولت کو تعمیری مقاصد کے لیے خرچ نہیں کریں گے تب تک معاشی خوشحالی وترقی کا تصور ممکن نہیں ہے۔ بے جا رسوم اور نمود ونمائش پر خرچ کرنے کی اجازت ہمارے مذہب میں بھی نہیں ہے۔ اسلام میں ایسی سرگرمیوں کی سختی سے مذمت کی گئی ہے جن میں ریاکاری کا عنصر شامل ہو۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ لوگوں پر اپنی دھاک بٹھانے کے لیے بناسوچے سمجھے وسائل کا بے دریغ استعمال کیا جائے۔ اقبال نے اپنے مضمون "قومی زندگی" میں ایسی جھوٹی نمائش پر تنقید کی ہے۔

"منجملہ اور قومی امراض کے ایک بے جا نام ونمود کی خواہش کا مرض ہے جو عام طور پر ہمارا دامن گیر ہے۔"[۲۱]

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21
ماخذ تحقیقی مجلہ

اس بات کا ذکر کرتے ہوئے وہ ایک لطیفہ بھی نقل کرتے ہیں۔ جس میں ایک نیک بزرگ کا معتقد اپنے بیٹے کی شادی پہ کیے جانے والے اخراجات بڑھ چڑھ کے بیان کرتا ہے لیکن پیر صاحب کے کھانے کے لیے ایک مولی تک خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اقبال نے پیر صاحب کے الفاظ میں ایک گہری حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"بھائی! جس نام و نمود کی قیمت ایک مولی بھی نہیں پڑتی اُس کے حصول سے فائدہ ہی کیا؟"(۲۲)

اقبال نے کس خوبصورتی سے ظریفانہ انداز میں قوم کو ایک اہم سبق سکھایا ہے۔ جھوٹی شان و شوکت کسی طور بھی انسان کے کام نہیں آسکتی۔ معاشی طور پہ مستحکم ہونے کے لیے ہمیشہ اپنی چادر دیکھ کے پاؤں پھیلانے کے اصول پہ کاربند رہنا ضروری ہے۔ کفایت شعاری ایسی عادت ہے جو انسان کو کسی کا محتاج نہیں ہونے دیتی۔ انسان دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچ جاتا ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں ہاتھ پھیلانے کی عادت انسان کی عزت نفس کو مجروح کر دیتی ہے اور پھر افراد گداگری بطورِ پیشہ اپنا لینے سے بھی باز نہیں رہتے۔ یہی رویے جب انفرادیت سے اجتماعیت کا سفر طے کرتے ہیں تو اقوام کے چلن کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ ہمارے عصری اقتصادی مسائل کو دیکھا جائے تو یہ رویہ عوامی اور قومی سطح پر بھی موجود ہے۔ ہمارا ملک اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اقوام عالم کا محتاج ہے۔ ہم پر مشکل اور پریشانی میں خود کچھ کرنے کی بجائے بیرونی امداد کے منتظر رہتے ہیں اور ستم ظریفی تو یہ ہے کہ یہ امداد بھی عوام کے کسی کام آنے کی بجائے حکمران طبقے کے جاہ و حشم میں اضافہ کا سبب بنتی ہے۔ بے حسی کی انتہا ہے کہ اغیار کے آگے ہاتھ پھیلا کر اپنی عیش پرستی کی تسکین کی جاتی ہے۔ مال مفت دل بے رحم والا معاملہ ہے۔ ایسی بے حسی کی نہ تو اسلام میں گنجائش ہے اور نہ ہی اقبال کے ہاں اسے پسند کیا گیا ہے۔ عوامی سطح پہ ایسے رویوں کا ذکر وہ نہایت تنقیدی انداز میں کرتے ہیں۔

"عوام کی تو کچھ نہ پوچھیے، کوئی اپنی عمر کا اندوختہ بچے کے ختنہ پر اڑا رہا ہے۔ کوئی استاد کے خوف سے اپنے ناز پروردہ لڑکے کا پڑھنا لکھنا چھڑا رہا ہے، کوئی دن بھر کی کمائی شام کو اُڑاتا ہے اور کل کا اللہ مالک ہے کہہ کر اپنے دل کو تسکین دیتا ہے۔ کہیں ایک معمولی بات پر مقدمہ بازیاں ہو رہی ہیں۔ کہیں جائیداد کے جھگڑوں سے جائیدادیں فنا ہو رہی ہیں۔ غرض کس کس کی شکایت کریں، لنکا میں جو رہتا ہے باون ہی گز کا ہے۔ تمدن کی یہ صورت کہ لڑکیاں نا تعلیم یافتہ، نوجوان جاہل، روزگار ان کو نہیں ملتا، صنعت سے یہ گھبراتے ہیں، حرفت کو یہ عار سمجھتے ہیں، مقدماتِ

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

نکاح کی تعداد ان میں روز بروز بڑھ رہی ہے، جرم کی مقدار روز افزوں ہے، دماغ شاہجانی، آمدنیاں قلیل اور افلاس کا یہ عالم کہ ع:

رمضان خوب مہینہ ہے مسلمانوں کا (۲۳)

اقبال نے مذکورہ بالا پیراگراف میں عوام کے مزاج کی مکمل تصویر کشی کر دی ہے۔ ہاتھ میں کچھ ہو نہ ہو فضول خرچی کو اپنانا شیوہ بن چکا ہے۔ باہمی لڑائی جھگڑوں اور مقدمات بازی میں وقت اور پیسے کا ضیاع کیا جارہا ہے۔ اس طرح کے حالات میں جرائم کی شرح میں اضافہ کیونکر نہ ہو۔ جب ضروریات آمدن سے بڑھ جائیں گی تو پھر مانگ کے کھانا یا چھین کے کھانا جیسی صورتیں ہی رہ جاتی ہیں۔ اس مزاج کو بدلنے کے لیے ہمیں اپنی نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت پہ خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ انہیں اس بات کا احساس دلانا چاہیے کہ ان کا وقت اور روپیہ پیسہ دونوں قیمتی ہیں اور دونوں کا بے دریغ استعمال اسراف میں شمار ہوتا ہے۔ مختلف سیمینار اور تربیتی پروگرام منعقد کرنے چاہئیں جن میں افراد کو معاشرے کا کارآمد شہری بننے کی تربیت دی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ قومی سطح پر ایسے افراد کے ہاتھ میں نمائندگی دینی چاہیئے جو عوام سے مخلص ہوں۔ انہیں ملکی سرمائے اور قومی وقار کا احساس ہو تا کہ وہ بیرونی امداد کو عیش و عشرت کا ذریعہ بنانے کی بجائے عوام کا معیار زندگی بہتر کرنے کی کوشش کریں۔

۵۔مادیت پرستی

عصرِ حاضر میں ترقی کی رفتار اس قدر بڑھ گئی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ پچھلی کچھ دہائیوں میں ٹیکنالوجی کے میدان میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ جنھوں نے دنیا کے حالات کو مکمل طور پر تبدیل کر دیا ہے۔ اس تبدیلی نے جہاں بہت سے مثبت اثرات مرتب کیے ہیں۔ وہیں اس کے منفی اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ان منفی اثرات میں ایک نہایت اہم عنصر مادیت پرستی کے رجحان کا بڑھنا ہے۔ ٹیکنالوجی کے اس دور میں انسانی معمولات بہت حد تک میکانکی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ مشینوں کی حکومت نے انسان کو بھی مشینی انداز میں چلانا شروع کر دیا ہے۔ کسی دور میں انسان، احساسات کا پُتلا تھا لیکن موجودہ طرزِ زندگی نے احساس کو بے حسی میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ بقول اقبال:

وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت (۲۴)
احساس مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات

جدید دور کے انسان نے دنیاوی عیش و آرام کو زندگی کا محور بنالیا ہے۔ دنیا کی زندگی کو اپنا مقصود سمجھ لیا ہے۔ روحانی تربیت مفقود ہو کر رہ گئی ہے۔ قرآن و سنت سے دوری نے ملحدانہ رویوّں کو فروغ دیا ہے۔ آخرت کے وجود کو ایک واہمہ سمجھ لیا گیا ہے۔ جب انسان کو اپنے خالق کے حضور پیش ہونے کا ڈر نہیں رہے گا تو وہ اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہی صورت حال عصرِ حاضر کے انسان کی ہے۔ انسانوں کا استحصال کیا جارہا ہے۔ مادیت پرستی معاشرے میں عدم مساوات اور اخلاقی گراوٹ کا باعث بن رہی ہے۔ دھوکہ دہی اور فریب کاری کو عقلمندی اور ذہانت کا پیمانہ سمجھا جارہا ہے۔ ناپ تول میں کمی، ملاوٹ، رشوت، سفارش ایسے معاملات جو کبھی اخلاق رذیلہ میں شمار ہونے تھے۔ اب آگے بڑھنے اور ترقی حاصل کرنے کے جائز ذرائع بنتے جارہے ہیں۔ اپنے ایمان کی حفاظت کرنے والے کو بے وقوف گردانا جاتا ہے۔

مادیت پرستی نے انسانی نفسیات پر بھی گہرا اثر مرتب کیا ہے۔ آج کا انسان ان گنت سہولیات و آسائشات کے ہوتے ہوئے بھی کئی نفسیاتی عوارض میں مبتلا دکھائی دیتا ہے۔ مادی دولت کو حاصل کرتے کرتے سکون و اطمینان کی دولت سے محروم ہوتا جارہا ہے۔ عجیب نفسا نفسی کا عالم ہے۔ اگرچہ محنت کرنا اسلام میں بھی پسند کیا گیا ہے لیکن ایسی تگ و دو جس میں انسان حلال و حرام کی تمیز نہ کر سکے کسی طور پر بھی مستحسن نہیں ہے۔ اسلام آخرت پر یقین رکھنے والا مذہب ہے جس میں انسان کو اچھے اعمال اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونے کی ترغیب دی جاتی ہے جبکہ اس کے برعکس مادیت پرستی میں دنیاوی زندگی ہی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اسلام میں مال و دولت کو ایک ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ جس سے انسان اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت میں ثواب کما سکتا ہے۔ جبکہ مادیت پرستی میں مال و دولت کو جمع کرنا اور دنیاوی فائدے کے لیے استعمال کرنا ہی مقصد ہوتا ہے۔ اسلام انسان کو اپنے حال پہ قانع رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ جبکہ مادیت پرستی میں انسان ہمیشہ زیادہ سے زیادہ کی تلاش میں بھٹکتا پھرتا ہے اور کبھی بھی ذہنی سکون حاصل نہیں کر پاتا۔ کائنات میں ہر سیر کا سوا سیر موجود ہے۔ یہ صورتحال ایسے انسان کو کبھی بھی خوش اور مطمئن نہیں رہنے دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ جدید کا انسان کئی طرح کے نفسیاتی عوارض کا شکار ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

عصر حاضر کا انسان اس حقیقت سے چشم پوشی اختیار کر رہا ہے کہ دل کا سکون اللہ کی یاد میں ہے۔ دنیاوی عیش و آرام کبھی بھی طمانیت کا باعث نہیں بن سکتے۔ جب تک کہ خالقِ حقیقی سے انسان اپنے روابط کو استوار نہ کرلے۔ کبھی خالق و مخلوق کا یہ مضبوط تعلق مسلمان کی میراث ہوا کرتا تھا۔

جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں
محفل کا وہی ساز ہے بیگانہ مضراب
بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن
تقدیر کو روتا ہے مسلمان تہِ محراب (۲۵)

مسلمانوں کا یہ وطیرہ بن چکا ہے کہ اپنے اعمال و افعال سے حذر کرکے اپنی ناکامیوں اور محرومیوں کا ملبہ تقدیر پہ ڈال کے بیٹھ جاتے ہیں۔ اقبال اپنے کلام میں جابجا مسلمانوں کو ان کی کھوئی ہوئی میراث یعنی اسلام کی طرف پلٹنے کی ترغیب دیتے ہیں اور مشینی دور کے تباہ کن ہتھکنڈوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں:

یہ عیش فراواں ، یہ حکومت ، یہ تجارت
دل سینۂ بے نور میں محرومِ تسلی
تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھویں سے
یہ وادی ایمن نہیں شایانِ تجلی
ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیب جواں مرگ
شاید کہ ہوں کلیسا کے یہودی متولی! (۲۶)

اقبال مغربی تہذیب کی مادیت پرستی کے خلاف تھے۔ مغرب میں دماغ کی ترقی کے ساتھ ساتھ دل بے نور ہوتا گیا ہے۔ یہ تہذیب روحانیت کی منکر اور الحاد کی طرف رجحان رکھتی ہے۔ بلاشبہ اس کی ظاہری ترقی کی چکا چوند آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے لیکن اس میں حقیقی انسانیت کا جوہر ماند پڑ گیا ہے جس عقلیت نے مغرب کے فکر و عمل میں یہ انداز پیدا کیا۔ اقبال اپنے قیامِ مغرب کے عرصہ میں ہی اس سے بدظن ہو چکے تھے۔ وہ اپنی قوم کو مغرب کے پنجۂ استبداد سے چھڑانا چاہتے تھے وہ اپنی شاعری میں واضح طور پہ اس تہذیب کے منفی اثرات کو آشکار کرتے ہیں۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مندانِ مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغ کارزاری ہے (۲۷)

اقبال مغرب میں رہتے ہوئے بھی اس تہذیب کے اثرات سے محفوظ رہے بلکہ ان کی زیرک نگاہی یہ بھانپ چکی تھی کہ مغرب کی مادیت پرستی انسانیت کے لیے ایک بڑا خطرہ ہے۔ وہ خود اقرار کرتے ہیں کہ اسلام سے نسبت نے انہیں اس تہذیب کے منفی اثرات سے محفوظ رکھا۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف (۲۸)

اقبال دینوی ترقی کے بالکل بھی خلاف نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مادی ترقی کی دوڑ میں انسان اپنی اصل غایت اور مقصد کو فراموش کر دیتا ہے۔ دین و دنیا میں توازن قائم رکھنے میں ہی انسانیت کی معراج ہے۔ اگر دین کو الگ کر دیا جائے تو انسان حرص و ہوس کا بندہ بن کے رہ جائے گا۔ ہوس کا شکار شخص خود انسانیت کے لیے ایک خطرہ بن جاتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے اپنے ذاتی مفاد کے علاوہ کسی چیز کی اہمیت نہیں رہ جاتی۔

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دیں کے لیے نا مرادی
دوئی چشمِ تہذیب کی نا بصیری (۲۹)

اقبال سیاست اور مذہب کو الگ کرنے کے قائل نہ تھے۔ ان کے نزدیک ان دونوں میں دوری معاشرے سے نیک و بد کی تمیز ختم کر دیتی ہے۔ خالق کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی نہیں کیا جاسکتا۔ انسانیت کی بقاء اسی میں ہے کہ دین اور امورِ سلطنت میں بالکل بھی بُعد نہ ہو۔

۶۔ سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism)

عصری اقتصادی مسائل میں سرمایہ دارانہ نظام ایک نہایت اہم مسئلہ ہے۔ یہ نظام در حقیقت مسائل کی ایک ایسی زنجیر (Chain) ہے۔ جس نے انسانی زندگی کے سیاسی، سماجی، اقتصادی، مذہبی، ثقافتی، غرض ہر پہلو کی کایا پلٹ کے رکھ دی ہے۔ اس نظام نے ملوکیت اور جاگیر دارانہ نظام کی مطلق العنانی کو ختم کر کے اس کی جگہ خود لی ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

سرمایہ دارانہ نظام کا آغاز انیسویں صدی میں صنعتی انقلاب کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے درمیانی عرصہ میں اس انقلاب کی وجہ سے بڑے پیمانے پر سماجی و معاشی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس سے پہلے انسانوں اور جانوروں سے مشقت کا کام لیا جاتا تھا۔ بھاپ سے چلنے والے انجن کی ایجاد نے ایسا انقلاب برپا کیا ہے کہ دنیا کے نقشے کو ہی بدل کے رکھ دیا ہے۔ اس سے پہلے نقل و حمل کے لیے جانوروں کا استعمال کیا جاتا تھا جس میں کئی طرح کے مسائل سے نبرد آزما ہونا پڑتا تھا۔ انجن کی ایجاد نے نقل و حمل کی رفتار کو اس قدر تیز کر دیا کہ معاشی سرگرمیوں کا حجم بہت بڑھ گیا۔ معیشت میں مشینوں کے استعمال کے باعث لوہے اور کوئلے کے استعمال میں اضافہ ہوا۔ سامان تجارت کی پیداوار اور ترسیل میں اضافہ ہوا۔ تجارتی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں۔ برطانیہ سے اٹھنے والے اس انقلاب نے بتدریج یورپ، امریکہ اور پوری دنیا پہ اپنے اثرات چھوڑنے شروع کیے۔ یہ صنعتی ترقی افزائش زر اور پیداوار میں اضافے کا باعث بنی جو کہ بظاہر خوش آئند ہے لیکن پسماندہ اقوام کو اس ترقی کی بہت بڑی قیمت چکانا پڑی اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ وہ رجحان جو اس مسئلے کا نقطہ آغاز بنا اس کی نشاندہی ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف نے کی ہے۔

> "صنعتی پیداوار میں یکایک اتنا اضافہ ہوا کہ خود صنعت کاروں کو بھی اس کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ مگر اس اضافے کے بعد مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ یہ کل پیداوار نفع بخش صورت میں فروخت ہو کر ہی صنعت کار کے سرمائے میں اضافہ کر سکتی تھی جس سے صنعت کاری میں مزید ترقی ممکن تھی۔ صنعت کار کے اس اقتصادی دباؤ نے یہ رجحان پیدا کر دیا کہ خام مال تو ہر ممکن طریقے سے سستا حاصل کیا جائے مگر تیار شدہ مال منہ مانگی قیمت پر فروخت ہو سکے۔ صنعت کاری کی کل پیداوار اندرونِ ملک فروخت نہیں ہو سکتی تھی لہٰذا صنعتی پیداوار کی فروخت کو بڑھانے کے لیے یورپی صنعت کار ممالک دنیا میں پھیل گئے۔"(۳۰)

یہ وہ جذبہ ہے جس کی تسکین کے لیے یورپی صنعت کاروں نے پسماندہ اقوام کی طرف رُخ کیا۔ پہلا مقصد سستے خام مال کی فراہمی کو یقینی بنانا تھا تاکہ پیداواری اشیاء کی لاگت کم سے کم ہو سکے اور منافع زیادہ سے زیادہ کمایا جا سکے۔ دوسرا مقصد اپنی پیداوار کی کھپت کے لیے منڈیوں کی تلاش تھی۔ ان دونوں مقاصد کی تکمیل کے لیے آسان ترین ہدف ایسے ممالک تھے جو ترقی کی اس دوڑ سے بہت پیچھے تھے اور جنہیں بنیادی ضروریاتِ زندگی بھی میسر نہ تھیں۔ مطلوبہ ہدف کے حصول کے لیے باقاعدہ کسی نظام کی ضرورت تھی۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام وجود میں آیا۔ اس نظام کے تحت افراد اور ادارے تجارتی سرگرمیوں میں اپنا سرمایہ لگاتے ہیں اور منافع کے حصول میں وہ خود مختار ہوتے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21
ماخذ تحقیقی مجلہ

ہیں۔ذرائع پیداوار نجی ملکیت میں ہوتے ہیں۔اس نظام میں عوامل پیدائش یعنی زمین، محنت، سرمایہ اور قیمتوں کا تعین اشیاء کی طلب ورسد کے تابع ہوتا ہے اس نظام کے اہم خدوخال یوں ہیں:

۱۔ پیداواری وسائل کی ملکیت نجی ہاتھوں میں ہوتی۔

۲۔ اس نظام کی بنیاد زیادہ سے زیادہ منافع کا حصول ہے۔

۳۔ اس قسم کے نظام میں حکومتی مداخلت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔

۴۔ اس نظام میں منڈی آزاد ہوتی ہے اور طلب ورسد کے باہمی تعلق سے ہی قیمتوں کا تعین کیا جاتا ہے۔

۵۔ زیادہ سے زیادہ منافع کے حصول کے لیے کمپنیوں میں مسابقت پائی جاتی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کا پہلا اور بنیادی اصول ذاتی ملکیت کا اصول ہے اس نظام کے تحت فرد پیداوار کے ذرائع اور اثاثہ جات کو اپنی ذاتی ملکیت میں رکھ سکتا ہے۔اس ملکیت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔چنانچہ یہ نظام شخصی آزادی کا نظام ہے۔اسی طرح ذاتی منافع کے بارے میں بھی کسی قسم کی پابندی موجود نہیں ہے۔افراد کو مکمل آزادی حاصل ہے کہ وہ پیداوار سے اپنا من پسند منافع کما سکتے ہیں۔ذاتی منافع کا ہی عنصر ہے جو افراد کو تحریک دیتا ہے کہ وہ کسی بھی کاروبار میں اپنا سرمایہ لگائیں اور زیادہ سے زیادہ پیداوار اور دولت کے حصول کو ممکن بنائیں۔سرمایہ دارانہ نظام کا ایک اہم اصول تجارتی سرگرمیوں میں حکومت کی عدم مداخلت ہے۔اس نظام کے تحت کوئی بھی حکومت اس بات کی مجاز نہیں ہوسکتی کہ وہ سرمایہ دار یا تاجر کی سرگرمیوں میں رکاوٹ ڈالے یا پھر اپنے فیصلے مسلط کرنے کی کوشش کرے۔ اگرچہ دور جدید میں ایسا ممکن نہیں رہا کہ کسی بھی سرگرمی میں حکومت مداخلت نہ کرے۔بلکہ کسی نہ کسی حد تک ہر حکومت کاروباری سرگرمیوں کی نگرانی کرتی ہے۔اس ضمن میں مفتی تقی عثمانی رقمطراز ہیں:

> " اگرچہ بعد میں خود سرمایہ دارانہ ممالک میں رفتہ رفتہ اس پالیسی کو محدود کر دیا گیا اور عملاً ایسا نہیں ہوا کہ حکومت بالکل مداخلت نہ کرے بلکہ حکومت کی طرف سے بہت سی پابندیاں سرمایہ دارانہ ممالک میں نظر آئیں گی مثلاً کبھی ٹیکسوں کے ذریعہ بہت سی پابندیاں عائد کر دی جاتی ہیں یا کسی کام کی ہمت افزائی کے لیے حکومت بہت سے اقدامات کرتی ہے۔ آج پوری دنیا میں کوئی ملک ایسا موجود نہیں ہے جس میں تجارت کے اندر حکومت کی بالکل مداخلت موجود نہ ہو لیکن سرمایہ دارانہ معیشت کا بنیادی فلسفہ یہی تھا کہ حکومت مداخلت نہ کرے بلکہ تاجروں کو کھلی چھٹی دے دے۔"[۳۱]

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

سرمایہ دارانہ نظام میں ذاتی دولت وجائیداد اور وسائل پیداوار رکھنے میں ہر فرد مکمل آزاد ہوتا ہے۔ حکومت کی طرف سے اس پر کوئی قدغن نہیں ہوتی۔ تاجر اپنا منافع بڑھانے کے لیے جیسے فیصلے چاہیں لے سکتے ہیں۔ اس بناء پر زر و دولت سرمایہ داروں کی ملکیت میں ہی مرتکز رہتی ہے۔ نظریاتی طور پر اس نظام میں منڈی مکمل طور پر آزاد ہوتی ہے۔ طلب ورسد کے تناسب سے ہی قیمتوں کا تعین ہوتا ہے لیکن دورِ جدید میں منڈی مکمل طور پر آزاد نہیں ہوئی۔

معاشیات کے مطابق انسانی خواہشات لا محدود جبکہ ان آرزوؤں کے حصول کے لیے وسائل محدود ہیں۔ چنانچہ ان دونوں جہات میں توازن قائم کرنا انتہائی ضروری امر ہے۔ انسان کو اپنی ترجیحات کا تعین کرنا چاہیے کہ اپنی خواہشات میں اسے سب سے پہلے کس خواہش کی تسکین کرنا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کو موسیقی سننے کا شوق ہے لیکن اس کے پاس صرف اتنی رقم موجود ہے کہ وہ یا تو ایک وقت کا کھانا کھا سکتا ہے یا پھر اپنے پسندیدہ گلوکار کے شو کی ٹکٹ خرید سکتا ہے۔ اس صورت میں معاشیات یہ کہتی ہے کہ دونوں میں سے ایک کے چناؤ کے لیے صارف کو اپنی ترجیح کا تعین کرنا ہوگا جو یقیناً ایک وقت کا کھانا ہوگا کیونکہ بھوک ایسا جذبہ ہے جس کی تسکین اولین بنیادوں پر کی جاتی ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ بنیادی احتیاجات مثلاً خوراک، لباس اور رہائش انسان کی ترجیحات میں اولین درجہ پر ہیں۔ اسی طرح وسائل کی تخصیص بھی ضروری ہے۔ قدرت نے انسان کو بیش بہا وسائل سے نوازا ہے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو وافر مقدار میں موجود ہیں اور انہیں دوبارہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ کچھ ایسے ہیں جو محدود مقدار میں ہیں اور انہیں ایک لمبے عرصے تک دوبارہ پیدا کرنا ممکن نہیں ہے مثلاً معدنی وسائل جیسے کوئلہ کو بننے میں ہزاروں سال او ر مخصوص قسم کے حالات درکار ہوتے ہیں۔ اگر انسان ایسے وسائل کا اندھا دھند اور بے دریغ استعمال کرتا ہے تو بہت جلد وہ ان وسائل سے محروم ہو جائے گا۔ دوسری طرف اگر ایسے وسائل کا استعمال دانشمندی سے کیا جائے تو وسیع پیمانے پر اور لمبے عرصے کے لیے ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں ترجیحات کا تعین اور وسائل کی تخصیص بھی طلب ورسد کے خودکار نظام کے تحت ہی کی جاتی ہے۔ اس کے تحت صنعت کار ایسی اشیاء ہی پیدا کرے گا جن کی طلب زیادہ ہوگی اور تب تک پیداوار کا یہ عمل جاری رہے گا جب تک طلب کی سطح بلند رہے گی جیسے ہی طلب کم ہوگی، شے کی پیداوار کا عمل بھی روک دیا جائے گا۔

کسی بھی معاشی نظام میں چار عاملین پیدائش پیداواری عمل میں حصہ لیتے ہیں:

۱۔ زمین

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

۲۔ محنت

۳۔ سرمایہ

۴۔ آجر یا کارخانہ دار

یہی عاملین پیدائش ہی پھر پیداوار دولت میں حصہ دار بھی ہوتے ہیں یعنی حاصل ہونے والی آمدنی انہی چاروں عاملین میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ تمام ماہرین اقتصادیات اس بات پر متفق ہیں کہ ان چاروں عوامل کو ان کا حصہ ملنا ضروری ہے۔

۱۔ زمین کا حصہ لگان کی صورت میں۔

۲۔ محنت کا حصہ اجرت کی صورت میں

۳۔ سرمایہ کا حصہ سود کی صورت میں۔

۴۔ آجر کا حصہ منافع کی صورت میں۔

سرمایہ دارانہ نظام میں ان عاملین کا حصہ ان کی شرح کارکردگی کے تناسب سے دیا جاتا ہے جس عامل نے پیدائش دولت میں جتنا کام کیا ہے اسے ویسے ہی تناسب سے ادائیگی ہوتی ہے۔ اقبال نے علم الاقتصاد میں ایک پانچویں حصہ کا بھی تذکرہ کیا ہے:

> "مفتوح ممالک میں دولت کا ایک پانچواں حصہ دار بھی ہوتا ہے، یعنی حکمران جس کے حصے کو مالگزاری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔"(۳۲)

لگان اس معاوضے کو کہتے ہیں جو زمین کے استعمال کے بدلے میں زمین کے مالک کو ادا کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے کارخانہ لگانے کے لیے کسی دوسرے شخص سے زمین کرایہ پر لی ہے تو کرایہ کی مد میں ادا کی جانے والی رقم لگان کہلاتی ہے۔ اب زمین کا معاوضہ کس شرح سے ادا کیا جائے گا۔ اس کا فیصلہ زمین کی طلب و رسد کے حساب سے کیا جائے گا۔ اقبال کے نزدیک:

> " اس مقام پر تم قدرتاً یہ سوال کرو گے کہ لگان کی مقدار کس طرح متعین ہوتی ہے یا وہ کون سے اسباب ہیں جو اس کی مقدار کی تعین میں اثر رکھتے ہیں؟ تم اس کتاب کے کسی گزشتہ باب میں پڑھ آئے ہو کہ قانونِ طلب و رسد ایک ایسا اقتصادی قانون ہے جس کے عمل سے ہر شے کی قیمت متعین ہوتی ہے۔ لگان کی مقدار بھی اسی وسیع قانون کے عمل سے آزاد

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21
ماخذ تحقیقی مجلہ

نہیں ہے البتہ بعض ممالک میں اختلاف حالات کے سبب سے اس قانون کا عمل کامل طور پر نہیں ہو سکتا۔"(۳۳)

اس ضمن میں مفتی تقی عثمانی یوں رقمطراز ہیں:

"اب سوال یہ ہے کہ یہ تعین کس طرح ہو کہ زمین کو کتنا کرایہ دیا جائے گا؟ محنت کو کتنی اُجرت دی جائے گی؟ اور سرمایہ کو کتنا سود دیا جائے گا؟ اس سوال کے جواب میں سرمایہ دارانہ فلسفہ پھر اس قانونِ رسد و طلب کو پیش کرتا ہے، یعنی یہ کہتا ہے کہ ان تینوں عوامل کے معاوضے کا تعین ان کی طلب ورسد ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ان عوامل میں سے جس عامل کی طلب زیادہ ہو گی اس کا معاوضہ بھی اتنا زیادہ ہو گا۔"(۳۴)

جس طرح زمین کا معاوضہ لگان ہے ویسے ہی محنت کا معاوضہ اُجرت ہے۔ نظام سرمایہ داری میں محنت کی اُجرت بھی طلب ورسد کے قانون کے تحت ہوتی ہے۔ اگر کسی کاروبار کی طلب زیادہ ہو گی تو اس میں کی جانے والی محنت کی اُجرت بھی اسی حساب سے بڑھ جائے گی۔ جبکہ ایسا کاروبار جس کی تیار کردہ پیداوار کی طلب کم ہو گی، وہاں محنت کی اُجرت بھی براہِ راست کمی کا شکار ہو جائے گی۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اقبال نے علم الاقتصاد میں ظاہری اُجرت اور حقیقی اجرت کے فرق کو واضح کیا ہے۔

"ظاہری اجرت سے زر نقد کی وہ مقدار مراد ہے جو بطور معاوضہ محنت کے ادا کی جائے مگر حقیقی اجرت سے مراد ان ضروریات زندگی یا دیگر اشیاء تن آسانی وغیرہ کی ہے جو اس زر نقد کی وساطت سے دستکار کو میسر ہو سکیں۔"(۳۵)

اقبال ظاہری اُجرت اور حقیقی اجرت کے فرق کو یوں واضح کرتے ہیں کہ ہر ملک میں زر نقد کی قوت خرید مختلف ہوتی ہے۔ اگر دو مختلف ممالک میں مزدور کی اجرت سو روپے ہے اور ایک ملک میں سو روپے میں ایک تھیلا گندم ملتی ہے جبکہ دورے ملک میں زر نقد کی قوت خرید زیادہ ہونے کے باعث سو روپے میں دو تھیلے گندم ملتی ہے تو اس صورت میں مؤخر الذکر ملک کی حقیقی اجرت پہلے ملک سے زیادہ ہو گی۔

تیسرا حصہ سرمایہ کار کا ہے جو اسے سود کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے۔ اقبال شرح سود کو سرمایہ کی مقدار پہ منحصر قرار دیتے ہیں۔ اگر شرح سود زیادہ ہے تو وہاں سرمایہ کی مقدار کم ہو گی۔ اس کے برعکس اگر سرمایہ کی مقدار

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

ماخذ تحقیقی مجلہ

زیادہ ہو تو شرح سود کم ہو جائے گی۔ اقبال شرح سود کی زیادتی کو اقتصادی لحاظ سے مفید خیال کرتے ہیں۔ اسکی وجہ وہ یوں بیان کرتے ہیں:

"شرح سود کی زیادتی کمی سرمایہ پر دلالت کرتی ہے اور اس کی کمی زیادتی سرمایہ پر جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شرح سود کی زیادتی اقتصادی لحاظ سے غیر مفید نہیں کیونکہ سرمایہ بچت کا نتیجہ ہے اور شرح سود اس بچت کا انعام ہے۔ لہٰذا جس قدر شرح سود زیادہ ہو گی اسی قدر لوگوں کو جمع کرنے کی تحریک ہو گی اور سرمائے کی مقدار بڑھتی جائے گی۔"(۳۶)

اقبال نے اس باب میں شرح سود کے بڑھنے کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ان کے نزدیک جب سرمایہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل کیا جاتا ہے تو پہلے ملک میں سرمائے کی کمی کے باعث شرح سود بڑھ جاتی ہے اسی طرح جب رفاہ عامہ کے لیے حکومتیں عوام سے قرض لیتی ہیں تو سرمائے میں کمی آنے سے سود کی شرح میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اشیائے خوردنی بیرونِ ممالک سے منگوانے کے باعث بھی سرمائے کی مقدار میں کمی آتی ہے جو شرح سود میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔

چوتھا عامل آجر ہے جس کا معاوضہ منافع کی صورت میں دیا جاتا ہے۔ منافع کا تعین پہلے سے نہیں ہو سکتا۔ لگان، اجرت اور سود کی مقدار نکالنے کے بعد جو دولت بچتی ہے وہ آجر کا منافع ہوتا ہے اقبال کے نزدیک:

"منافع اشیاء صنعتی کی قیمت کا کوئی جزو نہیں ہے بلکہ یہ اس دولت کا ایک حصہ ہے جو کارخانہ دار کی ذاتی قابلیت اور اس کی غیر معمولی قوتِ انتظام کی وساطت سے پیدا ہوتی ہے۔"(۳۷)

بظاہر دیکھا جائے تو سرمایہ دارانہ نظام بڑے ہی آئیڈیل (Ideal) طریقے سے عاملین پیدائش کی مدد سے افزائش دولت میں حصہ لیتا ہے اور پھر منصفانہ انداز میں عاملین کی پیدائش کی اجرت ادا کرتا ہے۔ یوں یہ نظام بھر پور منافع بخش ہے جس سے کسی بھی ملک کی معیشت کا حجم بڑھ جاتا ہے اور اس کے ساتھ افراد بے جا پابندیوں سے آزاد ہو کر خود مختاری سے کام کرتے ہیں۔ افراد کا معیار زندگی بلند ہوتا ہے۔ لیکن یہ تصویر کا وہ پہلو ہے جو محض تصوراتی ہے۔ حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ در حقیقت سرمایہ دارانہ نظام ایسا ناسور ہے جس نے سوائے ایک مخصوص طبقہ کے عوام الناس پر حیات تنگ کر رکھی ہے۔ اس نظام کی مذمت اقبال ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مندانِ مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغِ کارزاری ہے
تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے (۳۸)

ان اشعار میں اقبال اسے واضح طور پر تدبر کی فسوں کاری قرار دے رہے ہیں۔یعنی محض تخیلاتی طور پر کسی اقتصادی نظام کاڈھانچا کھڑا نہیں کیا جاسکتا بلکہ عملی طور پر بھی اس کا پرکھا جانا ضروری ہے تبھی ہم کسی نظام کے بہتر یا بدتر ہونے کا فیصلہ کرسکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اقبال ایسے کسی معاشرے کو مستحکم ومثالی نہیں مانتے جو سرمایہ داری کی بنیادوں پر کھڑا کیا گیا ہو۔ایسے ناعاقبت اندیش فیصلوں کے باعث ہی اقبال ایک اور جگہ مغربی تہذیب کو خبر دار کرتے ہیں:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا (۳۹)

ابتداء میں سرمایہ دارانہ نظام ایک اقتصادی نظام کے طور پر ہی وجود میں آیا لیکن بتدریج اس نے سیاسی رنگ اختیار کرنا شروع کر دیا۔اس نظام سے مغرب میں جو خوشحالی آئی اس نے مغرب کو مجبور کر دیا کہ وہ صرف اپنے علاقے تک محدود نہ رہے بلکہ دوسری اقوام پر بھی تسلط جمائے۔اپنی صنعتوں اور کارخانوں کے لیے سستا خام مال حاصل کرنے کی خود غرضانہ خواہش نے پھر ایسے مظالم خطہ ارض پر برپا کیے کہ جس سے انسانیت شرما گئی۔اس نظام کی بنیاد ایڈم سمتھ (۱۷۲۳-۱۷۹۰ Adam Smith) (۴۰) نے رکھی۔اس نظام کے طریقے کار کو سمجھنے کے لیے دیکھنا ہو گا کہ یہ کن خطوط پر استوار ہے۔

۱۔سود

سرمایہ دارانہ نظام مکمل طور پہ سود کی بنیاد پہ کام کرتا ہے۔سود ہی کی مدد سے مغربی طاقتیں دنیا کے ممالک کو تباہ کر دیتی ہیں۔سودی نظام جب ایک لمبے عرصے تک کسی معیشت میں پروان چڑھتا رہے تو وہ اس معیشت کی جڑیں تک کھوکھلی کر دیتا ہے۔سود کی بنیاد پر سرمایہ فراہم کرنے والے کو اس بات سے بالکل غرض نہیں ہوتی کہ کاروبار میں نفع ہو رہا ہے یا نقصان۔اسے صرف سود کی رقم سے مطلب ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اصل زر تو وہیں کا وہیں موجود رہتا ہے جبکہ قرض حاصل کرنے والا شخص یا ادارہ سود کی ادائیگی ہی کرتا رہ جاتا ہے۔مغربی استعماری

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21
ماخذ تحقیقی مجلہ

طاقتوں نے IMFاور World bank جیسے اداروں کے ذریعے پسماندہ ممالک کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ یہ ممالک قرضے یا امداد کی اصل رقم تو کبھی ادا ہی نہیں کر پاتے اور ہر سال شرح سود میں اضافہ ہو تا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں یہ ممالک مکمل طور پر مغربی استعمار کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔ وہ جس طرح چاہیں ان ریاستوں کو کنٹرول کرتے ہیں۔ اپنی پسند کی پالیسیاں نافذ کرتے ہیں۔ غریب عوام کو بنیادی سہولیات تک دستیاب نہیں ہوتیں۔ ہر طرف چور بازاری اور مہنگائی کا بازار گرم ہوتا ہے۔ معاشرے میں اخلاقی برائیں جنم لیتی ہیں۔ سود ایک ایسی لعنت ہے جسے اسلام میں سختی سے حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ قرار دیا گیا ہے لیکن ہمارے حکمران اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے روز بروز معاشرے کو اسی دلدل میں دھکیل رہے ہیں۔ جب تک معاشرہ سود جیسے مرض سے چھٹکارا نہیں پالیتا صحت مند مثالی معاشرہ متشکل نہیں ہو سکتا۔ خود اقبال بھی سود کی سختی سے مذمت کرتے ہیں:

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیمِ مساوات (۴۱)

۲۔بینک

سرمایہ دارانہ نظام کا بنیادی ہتھکنڈہ جس کے ذریعے یہ مختلف ممالک میں اپنے پنجے گاڑھتا ہے وہ بنک ہے۔ یہی اس نظام کی اصل طاقت ہے۔ بینک ہی سود، کاغذی کرنسی اور فریکشنل ریزرو سسٹم کو لاگو کر کے اپنے نام نہاد آقاؤں کی پالیسیوں پر عملدرآمد کرواتے ہیں۔ بینک وہ ادارہ ہے جو مکمل طور پہ سود پہ کام کرتا ہے۔ سود ہی پہ بینکوں کا تمام کاروبار چل رہا ہوتا ہے۔ یہ عوام سے کم شرح سود پر قرضے لیتے ہیں اور زیادہ شرح سود پر قرضے دیتے ہیں۔ شرح سود کے اس فرق کی بناء پر یہ اپنا منافع کماتے ہیں۔ سود اور بینک کا وجود لازم و ملزوم ہے۔ ہر ملک میں ایک مرکزی بینک ہوتا ہے جسے نوٹ چھاپنے پر اجارہ داری حاصل ہوتی ہے۔ ملک کا خزانہ بھی اسی بینک کے پاس ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں بینک کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس ادارے کے خاتمے کے بغیر سرمایہ دارانہ نظام سے پیچھا چھڑانا ناممکن ہے۔ اسلام صرف کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیتا بلکہ عین فطری دین ہونے کی حیثیت سے اس مسئلے کا حل بھی فراہم کرتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں سود کی حرمت تو واضح ہے۔ اس کے ساتھ قرضِ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21
ماخذ تحقیقی مجلہ

حسنہ پر زور دیا گیا ہے جو اخلاقی برائیوں سے پاک نظام ہے کہ ایک مسلمان بھائی بغیر کسی لالچ کے دوسرے کی مدد کرے۔ زکوٰۃ کا نظام ہمارے سامنے ہے اگر بیت المال کی کارگردگی کو بہتر کیا جائے اور مستحقین تک ایسی رقوم کو منتقل کیا جائے تو ہمیں بینک جیسے ادارے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگرچہ اس مقصد کے لیے ایک مکمل تحقیق اور طویل جدوجہد درکار ہے لیکن اپنی آنے والی نسلوں کی بقا کے لیے کسی نہ کسی کو یہ بیڑہ اٹھانا پڑے گا۔ برصغیر کے مسلمان پہلے ہندو مہاجنوں کے زیر نگیں تھے لیکن ان سے چھٹکارا پانے کے بعد یہی فریضہ آج کل بینک بخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔ مفتی تقی عثمانی بینک اور سرمایہ داروں کے تعلق کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

"بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بینک ڈپازیٹر (رقم رکھوانے والوں) کو جو سود دیتا ہے، بینک کی لاگت بھی اتنی ہی ہوگی۔ مثلاً ۸ فیصد سود دیتا ہے تو بینک کی لاگت بھی آٹھ فیصد ہوگی مگر واقعہ میں معاملہ ایسا نہیں، بینک کی حقیقی لاگت اس سے کم ہوتی ہے جو اس نے سود دیا ہے۔ اس لیے کہ بینک کے پاس بہت سی رقم ایسی بھی ہوتی ہے جس پر وہ سود ادا نہیں کرتا اور اس سے نفع حاصل کرتا ہے۔ ایسی رقم ایک تو فلوٹ کی رقم ہے، دوسری کرنٹ اکاؤنٹ کی رقم ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بینک کو جو نفع حاصل ہوتا ہے، اس کا آٹھ فیصد سے بھی کم حصہ عوام کو ملتا ہے۔ لہٰذا بینک کے نفع کا رخ عوام کی طرف کم ہے اور سرمایہ داروں کی طرف زیادہ ہے۔"(۴۲)

بینک کے اسی مرکزی کردار کے باعث سرمایہ دارانہ نظام میں بینک کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ اقبال اس حقیقت کو سمجھتے تھے اور اپنی عوام کو بھی اس کا احساس دلانا چاہتے تھے۔

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائیِ تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بینکوں کی عمارات (۴۳)

۳۔ کاغذی کرنسی

سرمایہ دارانہ نظام کا ایک اہم ستون کاغذی کرنسی ہے۔ اس نظام نے لوگوں کو حقیقی زر سے بالکل محروم کر دیا ہے۔ پہلے دور میں عوام کے پاس سونے اور چاندی کے سکے ہوا کرتے تھے جو حقیقی قدر کے حامل ہوتے تھے

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

لیکن مغربی استعمار نے اقوامِ عالم سے سونا اکٹھا کرنا شروع کر دیا اور عوام کے ہاتھ میں کاغذی کرنسی پکڑا دی۔ اس کرنسی نے آہستہ آہستہ اب کریڈیٹ کارڈ، ماسٹر کارڈ وغیرہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یوں اصل دولت پہ انھوں نے خود قبضہ کر لیا ہے اور دوسروں کو ایسی کرنسی پکڑا دی ہے۔ جس کا مکمل کنٹرول ان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ کرنسی چھاپنے والا شخص یا ادارہ مکمل اختیار کا مالک بن جاتا ہے کہ وہ مارکیٹ سے کوئی بھی چیز خرید کر اسے آدھی قیمت میں فروخت کر سکتا ہے کیونکہ وہ نوٹ چھاپ کر اپنا نقصان پورا کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اس طرح وہ جس چیز کی قیمت چاہے گرا سکتا ہے۔ اسی لیے پسماندہ ممالک کی پیداوار کی قیمت گرتی جاتی ہے اور سرمایہ دارانہ ممالک کی پیداوار (جہاز، اسلحہ، گاڑیاں وغیرہ) روز بروز مہنگی ہوتی جا رہی ہیں۔ جب تک کرنسی سونے چاندی کے سکوں پر مشتمل ہوا کرتی تھی تب تک یہ ممکن نہ تھا۔ بین الاقوامی تجارت پر مکمل طور پر انہی ممالک کا قبضہ ہے۔ نہ صرف تجارت بلکہ سیاسی منظر نامہ بھی انہی کے کنٹرول میں ہے۔ اسی کرنسی کی بدولت وہ جس ملک کو چاہتے ہیں دیوالیہ کر کے اس کی معیشت کو تباہ کر دیتے ہیں کسی ایک ملک کی کرنسی دوسرے ممالک میں قابل قبول نہیں ہوتی۔ اس مقصد کے لیے صرافہ مارکیٹ بنائی گئی ہے جہاں ملکی کرنسی کے عوض غیر ملکی کرنسی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک غریب ممالک کے تاجروں کو اپنی مارکیٹوں میں مال بیچنے پر پابندی لگائے ہوئے ہیں جبکہ وہ ترقی پذیر ممالک کی مارکیٹوں میں براہ راست مداخلت کر کے وہاں اپنا سامان بیچتے ہیں۔ اس خلاء کو کم کرنے کے لیے انہوں نے پہلے گیٹ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جو ناکام ہوا پھر بعد میں انھوں نے "بین الاقوامی تجارت کا ادارہ (W.T.O) " قائم کیا جو صرف اور صرف ترقی یافتہ ممالک کے حقوق کی پاسبانی کرتا ہے۔

۴۔ اثاثہ جات کا تحفظ

اثاثہ جات کے تحفظ کا جزوی نظام مغربی معاشی نظام کا اہم ستون ہے۔ اس ضمن میں بینک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر اس کے پاس سو روپے ہوں تو وہ ہزار روپے کے قرضے جاری کر سکتا ہے یعنی بینک اپنے اصلی اثاثوں سے دس گنا زیادہ قرضے جاری کر سکتا ہے۔ مثلاً اگر بینک ایک لاکھ کے عوض دس لاکھ کے قرضے جاری کرتا ہے اور شرح سود آٹھ فیصد کے حساب سے اس کو آٹھ ہزار کی بجائے اسّی ہزار منافع ہو گا یعنی بینک اپنی ظاہری آمدنی سے دس گنا سود حاصل کر لیتا ہے۔ جو عوام کا استحصال ہے اسی بناء پر اسلامی معاشی نظام میں اس کی بالکل گنجائش موجود نہیں ہے۔ اسلامی نظام میں اس پر مکمل پابندی عائد ہے۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21
ماخذ تحقیقی مجلہ

۵۔کارپوریشن

سرمایہ دارانہ نظام میں دولت چند مخصوص ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ اس لیے تمام معاشی و تجارتی سرگرمیوں کا مرکز بھی یہی لوگ ہوتے ہیں۔ بڑے سرمایہ دار مل کر شرکت کی کمپنیاں کھول لیتے ہیں۔ جسے کارپوریشن کہا جاتا ہے اس کارپوریشن میں ہر شخص شرکت کر سکتا لیکن فیصلہ اور اختیار اس کا ہو گا جو اکاون (۵۱) فیصد حصے کا مالک ہو گا۔ اس ذریعے سے عوام سے سرمائے کے لیے رقم لی جاتی ہے اور پھر اپنی مرضی سے اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حاصل شدہ منافع اپنی ترجیحات کے مطابق استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسی کاروباری کمپنیوں کو ایک قانونی شخص کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ سنیئر ہولڈرز انتخاب کے ذریعے بورڈ آف ڈائریکٹرز چنتے ہیں جو کمپنی کے فیصلوں کے مجاز ہوتے ہیں کہ سرمایہ کتنا، کیسے، کب اور کہاں لگایا جائے گا۔ کمپنی اپنا جاری کردہ سرمایہ حصص کی صورت میں عوام کو فروخت کرتی ہے۔ لوگ حصص (Shares) خرید کر کمپنی کے کاروبار میں حصہ دار بن جاتے ہیں۔ ان حصص کی خرید و فروخت اسٹاک ایکسچینج میں کی جاتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں بازار حصص بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس بازار کے ذریعے مغربی بین الاقوامی کمپنیاں کسی بھی ملک میں نجکاری کے عمل کو تیز کر کے وہاں براہِ راست قبضہ حاصل کر لیتی ہیں۔ ان بازاروں میں قمار بازی اور سٹے بازی کا بازار گرم ہوتا ہے۔

٦۔ صرافہ بازار

صرافہ بازار کاغذی کرنسی کے لین دین میں ملوث ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی صرافہ بازار کاغذی کرنسی کی سب سے بڑی مارکیٹ ہوتی ہے۔ یہاں صرف مختلف ممالک کی کرنسی کا تبادلہ کر کے ہی اربوں ڈالر کی تجارت کی جاتی ہے۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے معیشت کے حقیقی حجم میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ کرنسی کے تبادلے سے تخمینی اضافہ ہوتا ہے۔ جس سے عام آدمی کو چنداں فائدہ نہیں پہنچتا۔ سٹاک ایکسچینج کی طرح یہاں بھی سٹے بازی اور قمار بازی سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حرام کی ہیں۔ ان پابندیوں کا مقصد انسان کی بھلائی ہے۔ کیونکہ یہ تمام اخلاقی برائیاں انسانوں کے استحصال کا سبب بنتی ہیں جو کسی طور پر بھی قابل قبول نہیں ہونی چاہیے لیکن دورِ حاضر کا انسان اس حقیقت سے آنکھیں چرائے ان شیطانی ہتھکنڈوں میں پھنستا چلا جا رہا ہے۔

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

۷۔ نجکاری

مغربی طاقتیں جب کسی ملک کے اثاثہ جات پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں تو وہ نجکاری جیسے ہتھکنڈے استعمال کرتی ہیں۔ اس ملک میں حکومت کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ملکی خزانوں کو نجکاری کے لیے مارکیٹ میں لائے چنانچہ یہی لوگ ان قیمتی املاک کو اپنی شرائط پر کوڑیوں کے دام میں خرید لیتے ہیں۔ یوں راتوں رات اس ملک کے خزانوں پر ان مغربی طاقتوں کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ ان ہتھکنڈوں کے باعث تیسری دنیا کے یہ ممالک قدرتی وسائل ہونے کے باوجود مغربی استعمار کے ہاتھوں کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ ملکی خزانوں پر صرف عوام کا حق ہوتا ہے اور انہیں فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی معاشی نظام ایسے نجکاری کے عمل کی اجازت نہیں دیتا۔

ایشیائی اور افریقی ممالک میں یہی صورت حال نظر آتی ہے کہ عوامی وسائل و املاک کو بے دریغ غیروں کے ہاتھ میں دیا جا رہا ہے۔ خود ان ممالک کے عوام اپنے بنیادی مسائل تک حل کرنے میں ناکام ہیں۔ حالیہ دنوں میں وطن عزیز کے اندر پنجاب جیسے بڑے صوبے میں صحت اور تعلیم جیسے بنیادی شعبوں کو نجی ہاتھوں میں دیا جا رہا ہے جب کوئی ریاست اپنے عوام کو صحت و تعلیم بھی فراہم نہ کر سکے گی تو وہاں کے عوام کی زبوں حالی کا کیا عالم ہو گا۔ عوام کے خون پسینے کی کمائی سے سینچے گئے ان اداروں کو اغیار کی بے رحمانہ پالیسیوں کی نظر کر دینا کہاں کی دانشمندی ہے لیکن سرمایہ دارانہ نظام اور ذاتی اغراض نے حکمران طبقے کی آنکھوں پہ پٹی باندھ رکھی ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف صنعتی انقلاب کے بارے میں یوں لکھتی ہیں:

> "صنعتی انقلاب یورپی ممالک سے باہر بالخصوص ایشیائی اور افریقی قوموں کے لیے زوال، غلامی اور پس ماندگی کے دور سے عبارت ہے۔"(۴۴)

صنعتی انقلاب کے بعد یورپی اقوام نے نو آبادیاتی نظام کے ذریعے پس ماندہ ممالک کی عوام کو اپنا محکوم بنایا تھا۔ ان کے وسائل پر قبضہ کیا جاتا رہا تھا۔ عصرِ حاضر میں یہی کام نجکاری کے عمل کے ذریعے لیا جا رہا ہے۔

۸۔ طبقاتی کشمکش

سرمایہ دارانہ نظام معاشرے میں موجود لوگوں کو طبقاتی کشمکش کا شکار کر رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں واضح طور پر معاشرے میں دو طبقات بن چکے ہیں۔ ایک مزدور طبقہ اور دوسرے سرمایہ دار طبقہ۔ آسان الفاظ میں ہم اول الذکر کو محکوم اور مؤخر الذکر کو حاکم بھی کہہ سکتے ہیں۔ اب معاشرے میں سارا کام تو اس مزدور طبقہ سے لیا جا رہا ہے لیکن اس محنت کے پھل سے لطف اندوز وہ طبقہ ہو رہا ہے جو سرمایہ لگا رہا ہے۔ یوں معاشرے میں معاشی

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

ناہمواری بہت بڑھ گئی ہے۔ سرمایہ دار طبقہ مطلق العنانی میں مبتلا ہے۔ وہ جیسے چاہے مزدور طبقے سے ویسے سلوک روا رکھے۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے معیشت ہو یا حکومت سب اسی کے قبضہ میں ہے۔ اس طبقے کے خلاف بغاوت بھی ممکن نہیں ہے جس کی وجہ ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوں بیان کرتی ہیں:

"سزا دینے والے ادارے پولیس اور فوج ہوتے ہیں اور انعام دینے کی مشینری اس مقامی طبقے کی تحویل میں ہوتی ہے جسے ملکی سرمایہ دار پروان چڑھاتے ہیں۔ یہ طبقہ کسی حد تک غیر ملکی سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ میں حصہ دار بھی ہوتا ہے اور وہ اس حیثیت کا مالک ہوتا ہے کہ غریب عوام میں چند لوگوں کو لالچ دے کر ہر قسم کی جدوجہد جسے عوام اپنی بہبود کے لیے مناسب ضروری خیال کریں مناسب وقت پر بے معنی و بے فائدہ بنادے۔"(۴۵)

خود اقبال اپنے دور کے مزدور طبقہ کے لیے نہایت دردمند دل رکھتے تھے اور اس کے مسائل سے نہ صرف پوری طرح آگاہ تھے بلکہ اس پر آواز اٹھانے کی بھی پوری کوشش کرتے تھے۔

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظرِ روز مکافات (۴۶)

اسی طرح بانگ درا میں نظم خضر راہ میں سرمایہ و محنت کے عنوان سے اس بارے میں اشعار موجود ہیں:

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا، ہے یہ پیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
ساحرِ الموط نے تجھ کو دیا برگِ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخِ نبات

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21
ماخذ تحقیقی مجلّہ

نسل، قومیت ، کلیسا، سلطنت ، تہذیب ، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کے بنائے مسکِرات
کٹ مرا ناداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
سکر کی لذت میں تو کٹوا گیا نقدِ حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات (۴۷)

اس نظام کے ثمرات یہ ہیں کہ دنیا بھر میں امیر زیادہ امیر اور غریب زیادہ غریب ہو تا جارہا ہے۔ پوری دنیا کے وسائل اور سرمایہ مٹھی بھر ہاتھوں میں منتقل ہو رہا ہے۔ پاکستان کے چوبیس کروڑ عوام کے پاس جتنا سرمایہ ہے اس کا بڑا حصہ چند لوگوں کے پاس ہے۔ آج جمہوریت کی تعریف یہ نہیں رہی کہ عوام کی حکومت عوام کے ذریعے اور عوام کے مفاد کے لیے بلکہ آج جمہوریت کا مطلب ہے سرمایہ داروں کی حکومت، سرمایہ داروں کے ایجنٹوں کے ذریعے، سرمایہ داروں کے مفاد کے لیے۔ اس غیر فطری اور انسان دشمن اقتصادی نظام نے پوری دنیا کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ مسلمانوں کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ کس طرح یہ نظام معیشت ریاست کی جڑیں کھوکھلی کر رہا ہے۔ اقبال اپنی عوام کی خواب غفلت سے بہت پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان خود کو حالاتِ حاضرہ سے باخبر رکھیں۔

> "اقبال نے اس دور کو پانچ صدیوں کی خرد کی بے ہوشی قرار دیا ہے۔ اس دور کا المیہ صرف یہ ہی نہیں کہ مسلمان نے اس ارتقائی عمل میں کوئی حصہ نہیں لیا اور جدیدیت کی تحقیق و تعمیر میں اس کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ افسوس کا مقام تو یہ تھا کہ اس نے صنعتی انقلاب کی بعد کی ترقی کا بھی بے لاگ جائزہ نہیں لیا۔ اس لیے اس کے پاس عقل و استدلال پر مبنی کوئی ایسا تصور بھی نہیں تھا جو مستقبل میں اس کی رہنمائی کر سکتا۔" (۴۸)

موجودہ دور کے تمام ماہرین اقتصادیات صدیوں کی ریسرچ و تحقیقات اور تجربات کے بعد جس حقیقت تک پہنچتے ہیں کہ اقتصادی تباہی کا واحد سبب سودی نظام ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کو ۱۴۰۰ سال پہلے آشکار کر دیا تھا۔ انسانیت کی بہبود اسلامی معاشی نظام کے قیام میں ہی مضمر ہے۔ کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا کہ اُمت مسلمہ

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

اور مسلم ممالک قرآن کے معاشی نظام پر لبیک کہیں اور انسانیت کی رہنمائی کریں۔ آج نہیں تو کل دنیا کو قرآن کے پیش کردہ معاشی نظام کی طرف آنا ہی ہوگا کیونکہ اس کے سوا تباہی سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

انسانی زندگی ایک ایسے دور سے گزر رہی ہے جو سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی کے لحاظ سے تیز ترین دور ہے۔ عصرِ حاضر میں جہاں ٹیکنالوجی میں ترقی کے باعث سہولیات و آسائشات میں اضافہ ہوا ہے وہیں انسان کو ان گنت مسائل کا بھی سامنا ہے۔ اقتصادی مسائل کی بات کی جائے تو جیسا کہ اس ضمن میں اقبال کے نصب العینی معاشرہ کی راہ میں حائل مختلف مسائل کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے باعث رشوت، سفارش، چور بازاری، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، بے روزگاری اور طبقاتی تفاوت جیسی مشکلات کا سامنا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان اپنے عہد رفتہ کی عظمت کو پہچانیں، ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھیں اور اسلاف کے کارہائے نمایاں کا اعادہ کریں۔ اقبال نے اپنی نظم و نثر کے ذریعے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگایا ہے۔ کسی شاعر کے کلام میں اتنا تنوع نہیں پایا جاتا جو ہمیں اقبال کے ہاں ملتا ہے۔ اندازِ سیاست ہو یا آدابِ معاشرت، اصولِ اقتصادیات ہوں یا احکامِ شریعت، اقبال مسلمانوں کو ہر میدان میں متحرک دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اسلام کو ایک ضابطہ حیات کے طور پر مسلمانوں کی زندگیوں میں لاگو کرنا چاہتے تھے۔

> "اقبال تمام قوانین کو قرآن و سنت اور شریعت کے مطابق بنانا چاہتے تھے۔ اسی میں اقتصادیات کا ڈھانچہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ البتہ وہ ان علمائے دین سے شدید اختلاف رکھتے تھے جو اسلام کو محض عبادات تک محدود سمجھتے تھے۔ اقبال کے نزدیک مذہب اسلام انسانوں کی دنیوی اور دینی فلاح کے لیے نازل کیا گیا ہے۔" (۴۹)

اقبال کا نصب العینی معاشرہ قانون کی بالادستی کا مظہر تھا۔ جہاں افراد کے حقوق ضبط کرنے کی بجائے ان کا خیال رکھا جائے۔ لیکن یہ مثالی تصوراتی معاشرہ ناقابل عمل بنیادوں پر مبنی نہیں تھا بلکہ اس کے برعکس اسلام کے عملی اور حقیقی قوانین کی بنیاد پر تھا۔

> "اقبال ایک ایسے کامل اور مثالی معاشرے کے متمنی تھے جو موجودہ قوانین انصاف و اندازِ فکر و عمل اور جذبات و احساسات سے مختلف قرآنی احکامات پر انطباقِ عمل کا مظاہرہ کرے، جہاں مساوات و اخوت اور یکجہتی کے زندہ نمونے ہوں اور جو عہدِ حاضر کی گمراہ تہذیب و

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

تمدن اور الحادی فکر کے برعکس ایک زندہ وپر نور نشان کا علم بردار ہو۔ اقبال کا خیال ہے کہ ایسا فعال وذی حیات معاشرہ صرف اسلامی نظریہ حیات کی بنیادوں سے اٹھ سکتا ہے۔"(۵۰)

"مذہب" کے عنوان سے لکھی گئی اقبال کی یہ نظم ملک وملت کی شیرازہ بندی کے اصول واضح کر رہی ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی (۵۱)

اگر صرف انہی اشعار پہ غور کر لیا جائے تو ملی زندگی کی کامیابی کا ایک کلیہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان خود کو خوابِ غفلت سے بیدار کر کے نئے آغاز کی تیاری کریں۔ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات سے مرعوب ہو کر اغیار کی تقلید کرنے کی بجائے، جدید تعلیم کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں۔ لیکن اپنی جڑیں اسلام کے تناور شجر کے ساتھ منسلک رکھیں کیونکہ اگر مذہب سے رشتہ ٹوٹا تو ایسی زبوں حالی مقدر ٹھہرے گی کہ اس کے بعد کہیں اماں نہ ملے گی۔

حوالہ جات

۱۔ علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر: "مقالات اقبال" مرتبہ سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی، القمر انٹر پرائزر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص۸۶، ۸۷
۲۔ علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر: "کلیات اقبال اُردو" اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص۱۳۷
۳۔ ایضاً، ص۹۳
۴۔ علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر: " مقالات اقبال" ص۱۷۹، ۱۸۰
۵۔ ایضاً، ص۱۸۰
۶۔ مولانا عبدالسلام خان: "اقبال کے اقتصادی تاثرات" ص ۳۲۲

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

ماخذ تحقیقی مجلہ

۷۔ علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر: "کلیات اقبال اُردو "ص۲۹۷

۸۔ ایضاً، ص۴۳۴

۹۔ ایضاً، ص۶۸۰

۱۰۔ علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر: " مقالاتِ اقبال" ص۱۸۰

۱۱۔ علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر: "کلیات اقبال اُردو" ص۲۹۷

۱۲۔ ایضاً، ص۳۰۰

۱۳۔ ایضاً، ص۹۸

۱۴۔ ایضاً، ص۲۲۷

۱۵۔ ایضاً، ص۲۲۴

۱۶۔ ایضاً، ص۵۲۸

۱۷۔ علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر: "مقالاتِ اقبال" ص۳۳

۱۸۔ ایضاً، ص۹۷،۹۸

۱۹۔ علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر: "کلیات اقبال اُردو" ص۴۷۸

۲۰۔ علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر: "مقالاتِ اقبال" ص۱۸۲

۲۱۔ ایضاً، ص۹۵

۲۲۔ ایضاً، ص۹۷

۲۳۔ ایضاً، ص۸۸

۲۴۔ علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر: "کلیاتِ اقبال اُردو" ص۴۳۰

۲۵۔ ایضاً، ص۶۱۹

۲۶۔ ایضاً، ص۶۵۱

۲۷۔ ایضاً، ص۳۰۵

۲۸۔ ایضاً، ص۳۷۷

۲۹۔ ایضاً، ص۴۴۳

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

ماخذ تحقیقی مجلہ

۳۰۔ کنیز فاطمہ یوسف،ڈاکٹر:"اقبال اور عصری مسائل" سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۳

۳۱۔ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی:" اسلام اور جدید معیشت و تجارت" ادارہ المعارف، کراچی، ص ۲۶

۳۲۔ علامہ محمد اقبال،ڈاکٹر:"علم الاقتصاد" اقبال اکادمی، پاکستان، طبع چہارم، ۲۰۲۱ء، ص ۱۵۶

۳۳۔ ایضاً، ص ۱۵۶

۳۴۔ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی:"اسلام اور جدید معیشت و تجارت" ص ۲۴

۳۵۔ علامہ محمد اقبال،ڈاکٹر:"علم الاقتصاد"ص ۱۷۵

۳۶۔ ایضاً، ص ۱۶۲

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۷۲

۳۸۔ علامہ محمد اقبال،ڈاکٹر:" کلیات اقبال اُردو" ص ۳۰۵

۳۹۔ ایضاً، ص ۱۶۶

۴۰۔ آدم سمتھ(Adam smith)ایک برطانوی ماہر معاشیات اور فلسفی تھا۔ ۱۷۲۳ء سکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ گلاسگو یونیورسٹی میں فلسفے کا استاد رہا۔ اس کی وجہ شہرت اس کی کتاب The wealth of nations ہے جو پہلی دفعہ ۱۷۷۶ء میں چھپی۔ اسے جدید معاشیات کا بانی اور Father of capitalism بھی کہا جاتا ہے۔

۴۱۔ علامہ محمد اقبال،ڈاکٹر:"کلیات اُردو" . ص ۴۳۰

۴۲۔ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی:"اسلام اور جدید معیشت و تجارت"ص ۱۲۵

۴۳۔ "کلیات اقبال اُردو" ص ۴۳۰

۴۴۔ کنیز فاطمہ یوسف،ڈاکٹر:"اقبال اور عصری مسائل" ص ۱۵۶

۴۵۔ ایضاً، ص ۱۵۷

۴۶۔ "کلیات اقبال اُردو" ص ۴۳۰

۴۷۔ ایضاً، ص ۲۸۳

۴۸۔ کنیز فاطمہ یوسف،ڈاکٹر:"اقبال اور عصری مسائل"ص ۱۶۲ ا

۴۹۔ خواجہ محمد زکریا،ڈاکٹر:"اقبالیات۔چند نئی جہات"ص ۶۴

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-21

۵۰۔ شمیم احمد، ڈاکٹر: "فکرِ اقبال کے نثری ماخذ "اُردو اکادمی، دہلی، ۲۰۰۶ء، ص۲۶۶

۵۱۔ علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر: " کلیاتِ اقبال اُردو"ص۲۷۷